ڈھاکے دو پاٹ

زہرہ مسحور

مجھ سے
شفقت
ے گھر
کے ہر کونے

A.CC. No.
349

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

ناشر : "مسیح پبلشنگ ہاؤس" شاہ گنج ۹۱۲-۳-۲۰ حیدرآباد-۲...۵

سال اشاعت : سنہ ۱۹۹۱ء

891.439

تعداد : ایک ہزار

کتابت : سید عبدالحمید

ZOH

طباعت سرورق : ڈائمنڈ پریس

طباعت : ڈائمنڈ پروسس، ایرانی گلی، منڈی میر عالم، حیدرآباد۔

قیمت (اندرون ملک) رجسٹری ڈاک : ۳۵ روپے

قیمت (بیرون ملک) رجسٹری ہوائی ڈاک : ۵۵ روپے

قیمت : ۲۵ روپے

ملنے کے پتے : (۱) زہرہ مسحور، ۹۱۲-۳-۲۰،

شاہ گنج چوک، حیدرآباد-۲ (اے۔پی)

(۲) حاذق اینڈ موہی

ریڈیکس سیلر اینڈ ایکسپورٹر

۸۱۹-۴-۲۰ عقب مسجد چوک، حیدرآباد-۲

چیک، بنک ڈرافٹ یا رقم بھیجنے کا پتہ :

زہرہ مسحور، ۹۱۲-۳-۲۰، شاہ گنج چوک، حیدرآباد-۲ (اے پی)

(اکاونٹ نمبر 28/10554) اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد

حسینی علم برانچ، حیدرآباد)

انتساب ...

Acc. No. 349

برادرِ مرحوم محمد سعید احمد کے نام، جن کا برتاؤ مجھ سے بزرگانہ کی بجائے ہمیشہ دوستانہ رہا۔ اُن کی ایسی محبت و شفقت کا اب کوئی بدل نہیں۔ بجز ملکہ بھابھی کے جنہوں نے ہمارے گھر میں جہاں پہلے چراغ جلتے تھے اپنے حسین چہرے سے گھر کے ہر کونے کھدرے کو ایک ضیاء بخش دی۔

—— اس مجموعہ کی تمام کہانیاں یا تو اخباری اطلاعات پر مبنی ہیں یا پھر مفروضہ۔ ان میں کہیں سے بھی مطابقت اصل واقعات کے تئیں محض اتفاقیہ ہوگی۔

(زہرہ مسرور)

تمہید ....

اپنی کہانیوں کے بارے میں تمہیداً عرض ہے کہ ان کو لکھتے ہوئے وہ ہر بار میرے اندر خیال بن کر آیا اور روشنائی بن کر نکل گیا —— پس تخلیقی عمل میں یہی تو ہوتا ہے کہ وہ ہمیں غیر محسوس طریقے سے راہ دکھاتا ہے۔ تب ہم کو کرشموں پر یقین آتا ہے جب ہم کوئی کارنامہ انجام دے لیتے ہیں۔ تب خوشی کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا —— آپ بھی کہانی کار ہیں تو اسی لائین پر سوچئے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے تب خیالات آپ کو اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے آتے محسوس ہوں گے۔

قارئین سے گذارش ہے تو صرف اتنی کہ وہ اس کتاب کی ترسیل

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ اس کاز کو مزید آگے بڑھانے میں مجھے مدد مل سکے۔

چلتے چلتے سعادت حسن منٹو کو خراج عقیدت پیش کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ مختصر کہانیوں کے امام تھے۔ جناب محمد حسن عسکری منٹو کی چھوٹی چھوٹی اور مختصر کہانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں ــــــــ منٹو کے یہ افسانے سچی ادبی تخلیقات ہیں۔ اس لئے یہ افسانے ہمیں اخلاقی طور پر بھی چونکاتے ہیں ... وہ یہ کہ انسان ہر وقت بیک وقت انسان بھی ہوتا ہے اور حیوان بھی۔ اس میں خوف کا پہلو یہ ہے کہ انسانیت کے احساس کے باوجود انسان حیوان بننا کیسے گوارہ کر لیتا ہے، اور تسکین کا پہلو یہ کہ وحشی سے وحشی بن جانے کے بعد بھی انسان اپنی انسانیت سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ منٹو کے ان افسانوں میں یہ دونوں ہی پہلو موجود ہیں۔ خوف بھی اور دلاسہ بھی۔

بحر حال منٹو کا یہ راستہ پُر پیچ نہیں بلکہ سیدھا سا راستہ ہے جس کی لانبی مسافت دیکھ کر ہی ہمیں خوف آ گھیرتا ہے کہ کہیں یہ سُراب تو نہیں۔ اس مجموعہ کی ایک کہانی "غلطی" منٹو کی ایک پرانی کہانی "اصلاح" کی یاد ضرور دلا دے گی کہ منٹو کے خیالات سے میرے خیالات کتنے قریب ہیں۔

ناقدین فن سے گذارش ہے کہ وہ اگر چاہیں تو ان کہانیوں کی اچھائی یا بُرائی کے بارے میں اپنے اچھے یا بُرے خیالات سے نواز کر

ممنون فرمائیں۔

مزید ایک بات اور، وہ یہ کہ حاجی انیس دہلوی صاحب ایڈیٹر "فلمی ستارے" جن سے تاحال میرے قلمی روابط رہے ہیں اپنی کہانیوں کے بارے میں، جنہوں نے مجھے قارئین سے روشناس کرا کے ایک اچھے صحافی کا کردار نبھایا ہے۔ اور میری ایسی کہانیوں کی بھی پذیرائی کی ہے جہاں فرشتوں کے بھی پر جل جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ "غازی صحافی" کہلانے کے مستحق ہیں ——— خدا ان کی عمر اور اقبال میں ترقی دے اور وہ اسی طرح رہبری کے فرائض انجام دیتے رہیں۔

اس مجموعہ میں ایک فوٹو جو آپ دیکھ رہے ہیں وہ میرے مرحوم بھائی کی ہے جن کا انتقال ۲۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۹۰ء کو بحرین میں ہوا۔ وہ پاکستانی تھے لیکن اپنے بچوں سے ملنے وہاں چھٹیوں پر گئے ہوئے تھے جو وہاں کاروبار کرتے ہیں۔ ساتھ میں اُن کی بیوی یعنی ہماری بھابھی ملکہ ہیں، نام کی ہی نہیں بلکہ کردار و گفتار کی بھی ملکہ ———

ان دونوں کا تعارف قارئین کے لئے اس لئے بھی پیش ہے کہ وہ میری ایک کہانی "تقسیم ضرب تقسیم" کے کردار بھی ہیں جو مئی سنہ ۱۹۹۰ء کے "فلمی ستارے" میں چھپی تھی۔ اس مجموعہ کو میں نے ان ہی کے نام منسوب کیا ہے کہ ان کا حق مجھ پر زیادہ بنتا ہے۔ اس لئے بھی کہ والد صاحب اور مجھ میں تو حد ادب کی ایک خلیج تھی۔ لیکن بھائی صاحب اور میرے درمیان ہم آہنگی تھی۔

وہ اس طرح کہ اُن کا چہرہ دیکھ کر میرے لئے اُن کے دل کی بات جان لینا کوئی مشکل نہیں تھا اور میرا چہرہ دیکھ کر وہ میرے دل کی حقیقت جان جاتے تھے ـــــــ دیکھئے لکھتے لکھتے شائید میرے خیالات نفسِ مضمون سے ہٹ گئے ہیں۔

بحرحال کہنا تو یہ ہے کہ کہانیاں آپ کے سامنے ہیں۔ انہیں پڑھیئے لیکن ان کہانیوں کی اچھائی یا بُرائی کا صلہ مجھے نہ دیجئے بلکہ زمانہ کو دیجئے جو اس کا ذمہ دار ہے۔

آخر میں یہ بتلانا بھی نہایت ضروری ہے کہ اس مجموعہ کی تیاری اور اس کے منظرِ عام پر آنے تک کے تمام معاملات و مرحلات میں بہنوئی ملک عباس علی خان و برادرِ خورد محمد مسعود احمد کی خدمات بھی بُھلائی نہ جا سکیں گی جن کے توسط سے ہی یہ مجموعہ منظرِ عام پر آسکا ورنہ شائد یہ میرے اکیلے کے بس کی بات نہیں تھی۔ توقع ہے کہ وہ آئیندہ بھی اس طرح سے قارئین کی فرمائش پر اپنی خدمات سے نوازتے رہیں گے ـــــــ مزید کوئی اپنی کتاب چھپوانا چاہتے ہیں تو ان کا ادارہ "مسیح پبلیشنگ" نہ صرف معتبر بلکہ ذمہ دارانہ حد تک معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

۱۵ ار فروری ۱۹۹۱ء

زہرہ مسعود

پیش لفظ ....

یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں نہیں بلکہ چیدہ چیدہ واقعات ہیں۔ ہو سکتا ہے انہیں آپ اخبار میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں پڑھے یا سُنے ہونگے۔ لیکن موجودہ شکل میں دوبارہ ان واقعات کو پڑھتے ہوئے آپ کا دل دہل اُٹھے گا ______

اُلٹی تدبیر

وہ عبادت گاہ کو ڈائینامائیٹ سے اڑانے چلا۔ لیکن راستے میں ہی ڈائینامائیٹ پھٹ پڑا اور اس کے جسم کے چھیتڑے اُڑ گئے۔ اُس وقت جب اُس نے اپنی بیڑی سلگانے دیاسلائی جلائی تھی۔

شیطان الملک

ادلا بدلی کی کارروائی چل نکلی، ہر دو فرقوں میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ بالآخر جب کوئی باقی نہ رہا صرف لاشیں ہی لاشیں رہ گئیں تو ان لوگوں نے جو ایسی کارروائیوں میں مصروف تھے سوچنے لگے کاش! یہ لاشیں پھر سے زندہ ہو جاتیں تو ہم پھر انہیں قتل کر ڈالتے۔

۱۵

بن بادل

ستیہ گرہ جتھوں میں وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو بھیک مانگ کر اپنا گذارہ کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ انہیں یہاں بھیک بن مانگے مل رہی تھی۔ انتظامیہ کی طرف سے جو ان جتھوں کو منظم کر رہی تھی۔

صدر راج

اندھیر نگری میں فسادات کا بازار گرم ہوگیا اور بے شمار گھر اجڑنے لگے تو چوپٹ راجہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اُن لوگوں کی طرف سے جو راجہ کے مخالف تھے۔ ▲ ☙

گردشِ ایام

ہزاروں کی تعداد میں بلوائی عبادت گاہ کو ڈھانے چلے۔ لیکن راستے میں ہی اُن کے سینے چھلنی ہو گئے ...... ابابیلوں کے چونچوں میں پکڑی ہوئی کنکریوں سے نہیں بلکہ پولیس کی گولیوں سے جو عبادت گاہ کی حفاظت کے لئے وہاں متعین کی گئی تھی۔

مکھی ٹو مکھی

کرفیو کے باوجود چھُرے بازی کی وارداتوں میں اضافہ ہوگیا اور صورتحال مزید ابتر ہونے لگی تو پولیس کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم دے دیا گیا۔

پولیس کے ایک جوان نے اس حکم کی "مکھی ٹو مکھی تعمیل کی" اور ایک ایسے بوڑھے شخص کو بھی گولی سے اُڑا دیا جو بنگلے کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

یا شیخ اپنا اپنا دیکھ

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ گڑبڑ زدہ علاقوں میں کرفیو کے باوجود دودھ بڑی پابندی سے مقررہ داموں پر ملتا رہا .... لیکن اخبارات نہیں ......"

"دودھ حکومت کے ڈائیری فارم کا ہوتا ہے بھئی! اگر سربراہ نہ کیا جائے تو سڑ نہ جائے۔ لیکن اخبارات حکومت کے کہاں ہوتے ہیں ــــــــ ان کو تو موقع ملتا ہے، بس ان ہی دنوں کمانے کا" جو اخبارات کے ہاکر ہوتے ہیں۔"

▲▲

کنویں کے مینڈک

تاریخی عمارتیں اُن کی نظروں میں کھٹکنے لگیں تو وہ انہیں ڈھا دینے کی سوچنے لگے ....

"لیکن یہ مشکل ہے۔" ب نے عالمی رائے عامہ کے پیشِ نظر کہا۔

"کوئی مشکل نہیں" ا نے کہا۔ "ثابت کر دو کہ یہ تاریخی عمارتیں ہیں ہی نہیں۔ بلکہ کسی زمانے میں یہ مذہبی مقامات تھے۔"

"واہ!" ب نے ا کی طرف دیکھ کر کہا — "لیکن ثابت کیسے کیا جائے۔"

پھر وہ سوچ میں پڑ گئے ....

ڈر!

"میں نے کئی قتل کیئے .... ذرا بھی
کہیں نہیں ڈرا۔"
"لیکن لوگوں کو طبعیٔ موت مرتے دیکھ کر
مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

▲▲

افواہ!

"رام مارا گیا ———— !"

"محمد کا قتل ہو گیا ———— !!"

افواہ اڑی اور دنگوں کے ساتھ ہی کرفیو لگ گیا۔

کئی دنوں بعد کرفیو اُٹھا۔

رام اور محمد نامی دونوں ہی زندہ تھے — لیکن کئی لوگ رام اور محمد کے ...... نام لیوا دنگوں میں جنت اور پرلوک سدھار چکے تھے۔

آخری خواہش

گردن پر چھرا رکھ کر اس نے مرنے والے سے اس کی آخری خواہش پوچھی۔

مرنے والا گھگھیایا .... "مجھے مارو نہیں۔ مجھے چھوڑ دو۔"

▲▲

حقیقی جنت

"ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے ..... ہوتی ہوگی پر دیکھا کس نے ہے ـــــ لیکن مجھے تو ہمیشہ اپنی گھر والی کے قدموں میں ہی حقیقی جنت نظر آئی۔"

▲▲

ہائے افسوس

کرفیو لگا ہوا تھا۔ لیکن اتنا سخت نہیں۔
لوگ چھپتے چھپاتے آ اور جا رہے تھے۔

وہ بھی گھر سے باہر نکلا اس خیال سے کہ
مسجد جاکر نماز پڑھ لے گا ..... اور چوکنا ہو کر
گذر رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آکر اس کی پیٹھ
میں چھرا گھونپ دیا ــــــ ایک دردناک چیخ
کے ساتھ وہ وہیں خاک پر گرا اور سجدہ میں
ڈھیر ہو گیا۔ ▲▲

فرمائش

اُس نے ٹی ۔ وی اور فریج کے ساتھ جہیز میں ایرکولر کی بھی فرمائش کردی۔

دلہن والوں نے کہا ـــــــ "ٹی ۔ وی ۔ اور فریج تو خیر ... لے دیں گے ۔ ایرکولر لے کر کیا کروگے۔ پانی کی بڑی قلت ہے ۔ بغیر پانی کے اُسے چلانا بے کار ہے۔"

" تو پھر اسکوٹر دے دو ۔ وہ تو پٹرول سے چلتی ہے۔"

▲▲

نیک خیال

"فسادات میں مجرم پر قانون کی گرفت مضبوط نہیں رہتی۔ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ہاں —— میرا اگر بس چلے تو میں اس بات کو جلی حرفوں میں چھپوا کر عدالت میں جج کی کرسی کے ٹھیک پیچھے دیوار پر چسپاں کروا دوں۔"

قِلّت

شہر میں گیس کے تیل کی بڑی قِلّت ہوگئی۔ حتیٰ کہ چراغوں میں بھی جلانے کے لیے تیل نہ رہا۔

اس کے باوجود فسادی، گھروں اور دکانوں پر تیل کے کنستر انڈیلتے رہے اور انسانوں کو بھی اُس کے ساتھ جلا کر خاکستر کرتے رہے۔

▲▲

برکت

کرفیو میں چار دن کی مسلسل سختی کے بعد
جیسے ہی کچھ گھنٹوں کے لئے نرمی ہوئی تو کوٹھے پر
ایک آدمی نے آکر کھٹکا دیا۔

رنڈی نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ
کھول دیا۔

اُس آدمی نے جو آکر کھٹکا دیا تھا اپنا
پیٹ سہلاتا گھیگھیایا ——— ”بھوک لگی
ہے مائی! دیکھ پیٹ کیسے لگ گیا ہے۔ کچھ ہے
تو دے دے۔ بھگوان تیری کمائی میں برکت
دے گا۔ ▲▲

دوسرا رُخ

"معلوم ہے ووٹ دینے کی عمر اکیس سال
سے اٹھارہ سال کردی گئی ہے۔"
"اچھا ——— ! یعنی وہ لڑکے بھی ووٹ
دے سکیں گے جن کی میس ابھی بھیگ رہی ہیں۔
اور وہ لڑکیاں بھی جن کے سینوں پر کی بھٹنیاں ابھی
تھوڑی تھوڑی اُبھری ہیں۔"
"ہاں ——— اور جو کینڈیڈیٹ ایسے انتخابات
جیت کر سیاست میں آئینگے وہ کیسے ہوں گے۔"
"ظاہر ہے ——— فلم ایکٹر ہوں گے ———"

نیکی کر...

"اجی. ہم نے تو ان کے مذہبی جلوس میں جہاں جہاں سے یہ گذرنے والا تھا جگہ جگہ ٹھنڈے پانی سے بھرے بیرل رکھا دیئے اس خیال سے کہ گرما کا موسم ہے جلوسیوں کا پیاس کے مارے بُرا حال ہوگا..... لیکن ہوا کیا یہی کہ جلوسیوں نے اُن راستوں سے گذرتے ہوئے لوٹ مار شروع کردی اور دکانوں کو آگ لگانے لگے اور وہ ٹھنڈے پانی سے بھرے بیرل جو ہم نے جگہ جگہ رکھا دیئے تھے۔ چاروں طرف بھڑکتے آگ کے شعلوں میں گرم ہوگئے اور کسی مائی کے لال کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ اس پانی کا دوسرا مصرف آگ بجھانا بھی ہو سکتا ہے۔"

▲▲

خوشیاں

فسادات میں ـــــــ

ہندو، مسلمانوں کی جان سے کھیل کر خوش ہو رہے تھے اور مسلمان، ہندوؤں کو مار کر بغلیں بجا رہے تھے۔

"جن گھروں میں جانی نقصان ہوا؟ ....
وہ ملول تھے کہ بھلا کس بات پر خوشیاں منائیں۔"

▲▲

سنٹ پر سنٹ

آج کل کی کمپیوٹر ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے کمپیوٹر پر عورتوں کے بارے میں ایک چبھتا ہوا سوال ٹائپ کیا کہ ـــــ پڑھی لکھی عورتوں کی عقل تو ان کے اپنے اصلی مقام پر ہی رہتی ہے۔ لیکن جاہل عورتوں کی عقل کہاں رہتی ہے ـــــ آیا گھٹنوں میں یا کہیں اور ـــــ ؟

فوراً کمپیوٹر کے چمکدار اسکرین پر جواب ابھر آیا ـــــ

"ملاؤں کی جیب میں"

فرق ؟

ایک پرانی رنڈی نئی آئی ہوئی رنڈی پر اپنی زبان دانی کا رعب جھاڑتے ہوئے یوں گویا ہوئی :

" دیکھو ! مذہب اور رنڈی میں کوئی فرق نہیں ہوتا ـــــ اس طرح کہ انسان جونک کی طرح مذہب سے چمٹ کر اس کے سارے اصولوں کو امرت سمجھ کر پی لیتا ہے اور مذہب کو چھوڑ دیتا ہے ـــــــــ

اسی طرح ہمارے پاس بھی جو بھی آتا ہے وہ ہم سے چمٹ کر ہمارے سارے جسم کا رس کس چوس چوس کر پی لیتا ہے اور ہم کو تھوک دیتا ہے "

نئی رنڈی منہہ بناتے ہوئے بولی ـــــ

" پھر بھی ہمارا کوئی مذہب نہیں ہوتا نہ بہن " ▲▲

ل - بی - ڈبلیو

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ
ال دھار مقابلہ چل رہا تھا۔ اسٹیڈیم کے اندر
— اور اسٹیڈیم کے باہر ہزاروں روپیوں کا جوا
ھا کہ ہندوستان جیتا تو آٹھ سو کے ہزار اور
ن جیتا تو ہزار کے پندرہ سو — اس جوئے
ت سوں نے حصہ لیا۔ انہوں نے بھی جنہوں نے
کھیلا ہی نہ تھا۔

لیکن مقابلہ ڈرا ہوا تو سب کے منہہ لٹک
ر جنہوں نے کبھی جوا کھیلا ہی نہ تھا۔ بولے 'چلو
— یل - بی - ڈبلیو ہو گئے ۔ ناحق گناہ کے
ے گرنے چلے تھے ۔

▲▲

نیا مشغلہ

لوگوں کے گلے کاٹنا اس کا مشغلہ تھا۔
جس کی سزا اُس نے جیل میں چار سال رہ کر کاٹی
—— آدمی چوں کہ جوان اور محنتی تھا اس لئے جیل کے
کرتا دھرتاؤں نے اس کو ہنرمند بنا کر کہ وہ آئندہ ٹیلری
کا پیشہ اختیار کرے اور گلے کاٹنا چھوڑ دے' اُسے
چھوڑ دیا۔
جیل سے چھوٹ کر اس نے اپنا پُرانا مشغلہ
گلے کاٹنا چھوڑ کر لوگوں کی جیبیں کاٹنے لگا کہ ہینگ
لگے نہ پھٹکری رنگ آئے چوکھا۔ ▲▲

لاجواب

قتل و غارت گیری کا بازار گرم تھا۔ وہ غیر علاقے سے گذرتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا.....

تبھی ایک آدمی بڑی تیزی سے اُس کے سامنے آیا۔ اُس کے اُٹھے ہوئے ہاتھ میں ایک تیز خون آلود چھرا دیکھ کر وہ دہشت سے پیچھے ہٹا اور دفعتاً اُس کے منہ سے نکلا۔ "نمستے"۔

"نمستے! نمستے !!" چھرے والے کا ہاتھ یکدم ڈھیلا پڑ گیا۔ اور وہ دوبارہ جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے غائب ہو گیا ــــــ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

مُجرم

"ابھی ایسی کوئی جیل بنی نہیں ہے۔ جو مجھے قید کر سکے۔ جانتے ہو میں منتری جی کا داماد ہوں۔ تم نے مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اس وقت جب میں چھُرے سے اُس شخص کا پیٹ چاک کر کے بھاگ رہا تھا تو کیا ہوا۔ میں نے جس کو قتل کیا وہ منتری جی کا دشمن تھا ..... اب کوئی عدالت مجھے سزا نہیں دے سکتی۔"

لیکن میں تمہیں حوالات کی ہوا ضرور کھلا سکتا ہوں۔ چلو ——" انسپکٹر نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ اور غصّے سے اس کو ہلاتے ہوئے مجرم کو لاکر حوالات میں بند کر دیا۔

غور و فکر

شادی کے کئی سالوں بعد بھی وہ لاولد رہا تو اس کے دوست نے اُس سے کہا: "میاں تم لاپرواہ ہو اس لئے لاولد ہو۔ دیکھو! کوئی کسی کو بیٹی بھی دیتا ہے تو سوچ سمجھ کر دیتا ہے کہ وہ اسے پال سکے گا بھی یا نہیں۔ میرا خیال ہے شائید اُپر والا بھی تمہارے بارے میں یہی سوچتا ہوگا ______ ورنہ کیا بات ہے کہ تم روز پانی نہاتے ہو، پھر بھی کچھ نہیں۔ میرا ایک دوست ہے جو کبھی کبھار ہی پانی نہاتا ہے لیکن ہے ذمہ دار۔ اس کی عورت کو شادی کے ساتویں مہینے ہی بچہ ہوگیا۔"

"شائید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس کے دوست نے غور و فکر کے بعد کہا "میرا بھی ایک دوست ہے۔ جو ذمہ دار ہے اور اکثر بزنس ٹور پر باہر رہتا ہے۔ اس کی عورت کو شادی کے چوتھے مہینے ہی بچہ ہوگیا۔"

▲▲

معلوم نہیں

ا نے جس کا تعلق پولیس محکمہ سے تھا ب کو بڑے فخر کے ساتھ بتلایا: "کل پولیس کی نگرانی میں کرفیو زدہ علاقوں میں اشیائے خورد و نوش کی تقسیم ہوئی۔"

"کیا — ! کیا مطلب؟" ب نے تجسس سے پوچھا۔

ارے بھئی اشیائے خورد و نوش نہیں سمجھتے۔ کھانے پینے کی چیزیں۔"

"اچھا — پھر پرسوں پولیس کی نگرانی میں جو تقسیم ہوئی تھی وہ کس زمرے میں آتی ہے۔ کھانے میں یا پینے میں۔"

"کیا — ! کیا مطلب؟" ا نے اسی طرح تجسس سے پوچھا۔

ب نے اطمینان سے کہا۔ "موت" ا نے چڑ کر جواب دیا "معلوم نہیں۔"

▲▲

آخرکار

"کل رات دو کتے لڑتے ہوئے آپس میں بھڑ گئے تھے اور ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے شور مچا رہے تھے۔ میں نے اس خیال سے کہ محلہ میں سوتے ہوئے لوگوں کی نیندیں خراب ہو جائینگی، پتھر پھینک پھینک کر انہیں ایک دوسرے سے جُدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن بے سود رہا تو اُن کو اسی طرح چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گیا۔"

"بالکل ٹھیک کیا تم نے" اُس کے دوست نے اُسے بتلایا ——— "ہم بھی بالکل یہی کرتے ہیں جب دو فرقے

آپس میں بھڑ جاتے ہیں۔ لاٹھی چارج اور
آنسو گیس سے بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"
اُس کے دوست نے جو پولیس انسپکٹر تھا،
اپنی مونچھوں کو چھوتے ہوئے بولا۔

▲▲

آناً فاناً

ـتے میں انہوں نے اس کو گھیر لیا اور آناً فاناً اُن میں سے
ٹے اپنی آستین میں سے اُسترا نکالا اور اس کی
ود کا صفایا کر دیا اور مونچھوں کو چھوڑ دیا۔
ے کی داڑھی کے ساتھ بال بھی چلے گئے تھے، وہ جھلایا:
مونچھیں کیوں چھوڑ دیں۔ اس کو بھی مونڈھ دو۔"
یسے نے کہا۔ "نہیں مونچھیں رہنے دو۔ یہ مَردوں کی

داڑھی؟" اُس نے جھلا کر پوچھا
ـسلمانوں کی۔" تیسرے نے نفرت سے کہا۔

مُسلمانوں کی ۔ !
لیکن میں مسلمان کہاں ہوں بھئی ۔۔۔۔۔
میں نے داڑھی اور بال اس لیئے بال رکھے تھے
کہ تریتی جاکر انہیں مونڈھا آؤں گا ۔"

▲▲

غلطی

"نام کیا ہے؟"

"رام دین" جواب ملا۔

"شکایت کیا ہے؟"

"پہلے سے نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پیدائشی مختون ہوں۔ بھگوان نے اسی طرح پیدا کیا..... کوئی دھرم کرم کی بات ہی پوچھ لو۔"

بس — بس — رہنے دو — ہم دھرم کرم کو نہیں مانتے ہم کو ثبوت چاہیئے۔

"پھر کیا؟"

"اُف ــــ! بھگوان تمہارا بھلا کرے..."

ایک کراہ کے ساتھ اس کے منہ سے نکلا اور چُھری اس کے پیٹ کو چاک کرتی ہوئی ناف تک اُتر گئی۔

بھگوان کی غلطی کی سزا اس کو مل گئی۔

▲▲

ڈکیتی

"سُنا ہے حکومت دیہاتوں میں ڈکیتی،
لوٹ مار و قتل کی وارداتوں میں کمی کے لیے
گاؤں والوں میں، خود حفاظتی کے لیئے بندوقیں
تقسیم کرنے والی ہے۔"
"ہاں ـــــ میں نے بھی یہی سنا ہے...
لیکن......"
"لیکن کیا؟"
"انتخابات قریب آرہے ہیں......

یہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"دوٹوں کی ڈکیتی شروع ہوجائے گی۔"

"یعنی؟"

"جس کی لاٹھی اس کی بھینس تو سمجھ سکتے ہو نہ۔"

"ہاں —— تمہارا مطلب ہے ...... جس کی بندوق اُس کے دوٹ۔ ▲▲

حصّے میں

لوٹ مار چی تو اس کے حصّے میں ایک چھوٹا سا ٹی۔ وی۔ سیٹ آیا۔

وہ خوشی خوشی اس چھوٹے سے ٹی۔ وی سیٹ کو بغل میں دبائے جلدی جلدی اپنے گھر لے آیا اور گھر کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے ٹی۔ وی کو ایک چھوٹے سے اسٹول پر رکھ دیا۔ اور اس کے وائر کو برقی کنکشن دے کر ٹی وی کے بٹن کو آن کیا۔

ٹی۔ وی۔ کے اسکرین پر نہ کوئی آواز

آئی اور نہ ہی پچھر۔

"دھت تیرے کی" اُس نے کہا

"ٹی۔ وی۔" تو ڈیڈ ہے

پھر اس نے ٹی۔ وی۔ کے پچھلے حصے کا حفاظتی بورڈ جو چھین جھپٹی میں ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اُس کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کو درست کرنے لگا..... تبھی اس کو ایک زور کا برقی جھٹکا لگا اور جھٹکے کے ساتھ ہی وہ نیچے گرا اور ٹی۔ وی۔ کے ساتھ خود بھی ڈیڈ ہو گیا۔

▲▲

مناسب طریقہ

"ہماری شادی کو دس سال ہو گئے لیکن ابھی تک ہم بچے سے محروم ہیں۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے خرابی میرے میں نہیں تمہارے میں ہے۔ اس لئے کیوں نہ ہم کسی بچے کو گود لے لیں۔"

"میں کسی غیر کے بچے کو گود لینا پسند نہیں کرتا۔" مرد نے کہا۔

"تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے سائنس

نے تو بڑی ترقی کر لی ہے ۔ میں اپنی کوکھ میں سائینسی
طریقے سے کسی غیر کا بیج ڈلالوں گی .....
اس سے جو بچہ ہو گا وہ تو ہمارا کہلائے گا۔"
"ہاں کہلائے گا کیوں نہیں ......"
اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا ——— پھر میرا خیال
ہے اس میں کوئی گناہ یا قباحت بھی تو نہیں ....
بلکہ یہی ایک طریقہ مجھے صحیح اور مناسب لگتا ہے۔"

اللہ کا حکم

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ اب میں نوکری نہیں کروں گی۔ میں جو کچھ کماتی ہوں اس کو تم نشہ پانی میں اڑا دیتے ہو۔"

"کیوں نہیں اڑاؤں ـــــ تم جو کچھ کماتی ہو اس پر میرا حق زیادہ رہتا ہے۔"

"نہیں" وہ چلائی۔ "تمہارے باپ کا مال نہیں ہے ـــــ میرے محنت کی کمائی ہے۔"

نشے میں دھت اس نے پہلے اپنے باپ کو ایک گالی دی پھر عورت کو لتھاڑا۔

"اری سن! باپ کے مال کے تو اور
بھی حق دار ہوتے ہیں — بھائی بہن وغیرہ —
لیکن جورو کے مال کا تو شوہر کے سوائے اور کوئی
حق دار نہیں ہوتا — یہی اللہ کا حکم ہے
— سمجھی —"

غفلت

میں نے پچھلے وعظ میں مولوی صاحب کو یہ کہتے سُنا تھا کہ ــــــ قربِ قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ سرِ بازار زنا کاری ہوگی۔“

”یار ــــــ تم ابھی تک غفلت میں ہو۔ اس کی ابتدا تو گھروں میں کبھی کے شروع ہو چکی ہے۔“

کبھی کے شروع ہو چکی ہے۔ گھروں میں ــــــ ! کیا مطلب؟

دیر رات گئے کی فلموں میں
یہی ———
وہی سب کچھ تو ہوتا ہے جس کا نظارہ ٹی۔وی پر
تمام گھر والے مع اپنے بچوں کے کرتے ہیں ———
ہو سکتا ہے یہی بچے آگے چل کر سرے بازار
ویسا ہی کرنے لگیں "

▲▲

معلومات

"میں تم سے ہمیشہ کہتا ہوں وعظ میں چلو، مذہبی معلومات ہوں گے —— لیکن تم سنتی ہی نہیں ہو —— معلوم ہے کل وعظ میں مولوی صاحب نے کیا بتلایا تھا...... انہوں نے عورتوں کے فرائض کے تعلق سے بتلایا تھا کہ —— ہر عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنے شوہر کی خواہش کو ہر حال میں پوری کرے۔ چاہے وہ سفر میں اپنے شوہر کے ساتھ حالت پاکی میں اونٹ کے کوہان سے بندھے محرم میں ہی کیوں نہ ہو...... یہی اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے"

"تم سفر کی بات کر رہے ہو ڈارلنگ"
عورت ہنس دی ـــــــــ
میں تو تمہارے ساتھ تھیٹر میں بھی
تمہاری یہ خواہش پوری کرسکتی ہوں۔ تاکہ
اللہ اور اُس کے رسول کی ناراضگی نہ مول لوں۔"

نصیب

صاحب تو مجھے چھوڑتے ہی نہیں۔ تعطیلات میں بھی گھر پر کام لیتے ہیں ——— گھر کا سوداسلف سے لے کر جھاڑ جھنکار بھی میں ہی کرتا ہوں۔ بچوں کو نہلاتا ہوں، دھلاتا ہوں...... صرف پہلی تاریخ کو مجھے دوپہر کے بعد ہی چھٹی ملتی ہے کہ میں آفس جاکر اپنی تنخواہ لے آؤں۔ پھر بعد میں وہی چکر ——— اب تو بھیا میں اپنے آپ کو سرکاری نوکر سے زیادہ بندھوا مزدور سمجھنے لگا ہوں.... حکومت کہتی ہے کہ بندھوا مزدور کی لعنت ختم

ہوگئی - میں کہتا ہوں لعنت ختم کہاں ہوئی وہ تو
حکومت کے اندر سرایت کرگئی ہے - کیوں بھیّا!
میں ٹھیک ہی کہتا ہوں نہ ـــــ"

"ہاں ـــــ تم ٹھیک ہی کہتے ہو ـــــ
لیکن ...... دیکھو بھائی! تمہاری بھلائی بھی تو اسی
میں رہتی ہے - ورنہ آج کل سرکاری نوکری ملتی
کہاں ہے - وہ تو قسمت والوں کے نصیب میں
میں لکھی ہوتی ہے"

تین بم

یہ بات ہر عورت کو جان لینی چاہیئے
جانِ من کہ اس کی بھلائی اسی میں رہتی ہے کہ وہ
اپنے شوہر کو ہر حال میں خوش رکھے اور اس کا
کہا مانے۔ ورنہ ..... شوہر کے منہ سے نکلے
ہوئے طلاق کے تین بول اُس کی زندگی کو یوں
ہی صفایا کر دیتے ہیں جیسے ایٹم بم نے ہیروشیما
پر کئی زندگیوں کا صفایا کر دیا تھا "
عورت نے ہنستے ہوئے اپنے شوہر کی
اس بات کا مذاق اڑایا اور بولی :

"بس رہنے دو ڈارلنگ ! مجھے پتہ ہے کہ ہر مرد کے اندر چھپے ہوئے یہ تین بم ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ لیکن ...... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ڈیئر کہ ہر عورت ان تین بموں کو ناکارہ بھی تو کرسکتی ہے۔"

"ناکارہ ــــــ ! وہ کیسے ؟"

"وہ اس طرح کے طلاق سے پہلے ہی وہ اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے۔" عورت نے سیدھی سی بات بتلائی۔

تبھی شوہر کو یکدم غصہ آگیا اور اس نے فوراً یہ تین بم اپنی عورت پر ڈال دیئے۔

▲▲

آتش بازی

"کل آتش بازی دیکھنے کا حقیقت میں مزہ آگیا یار۔ جب اونچے طبقے کے کماؤں نے نچلے طبقے کے ہریجنوں کی جھگی جھونپڑیوں کو آگ لگادی۔"

"تم بھی کمال کرتے ہو بھئی ——— وہ آتش بازی کیسے ہوئی۔ وہاں پٹاخے کہاں تھے۔ صرف جھونپڑیاں جل رہی تھیں۔"

"بھئی ! کچھ بھی ہو۔ آگ تو تھی۔ آتش بازی میں بھی تو آگ ہی ہوتی ہے نہ ـــــ"

"لیکن آتش بازی میں زور زور سے پٹاخے چھوٹنے کی آوازیں بھی تو ہوتی ہیں"

"وہاں بھی تو آوازیں تھیں ـــــــــ
اُن ہریجنوں کی جن کی یہ جھونپڑیاں جل رہی تھیں"

چالیس چور

"میں نہ کہتا تھا۔ کل مذہبی جلوس کا بلوائی خوب فائدہ اٹھائیں گے۔"

"وہ تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے یار —— نئی بات کیا ہوئی یہ بتلاؤ۔"

"نئی بات یہ ہوئی کہ کل بلوائیوں نے مین پولیس اسٹیشن کے سامنے ہی جہاں گھوڑسوار فورس کا پورا دستہ موجود تھا۔ سونے چاندی کے دکانوں کی تالاشکنی کی اور دکانوں کو لوٹنا شروع کردیا۔"

"واہ ـــــ! اور وہ گھوڑ سوار فورس جو تھانے کے سامنے ٹھیری ہوئی تھی۔ اُس نے کچھ نہیں کیا؟"

"ارے ـــــ وہ کیا کرتی۔ اُس کے خود چالیس جوان جو سادہ لباس میں تھے۔ اُس لوٹ میں شامل تھے۔"

"یعنی چالیس چوروں کی پوری ٹولی موجود تھی۔"

"ہاں ـــــ"

"اور .... علی بابا کتنے تھے بھئی ـــــ"

"کئی ـــــ"

"یعنی کئی علی بابا اور چالیس چور۔"

▲▲

داد

"کچھ سنا تم نے۔ کل رات دنگوں میں کیا ہوا"

"کیا ہوا؟"

"کاماٹی پورہ کے علاقے کی ایک ستر سالہ بوڑھیا' بلوائیوں کی طرف سے لگائے گئے ہر ہر مہادیو کے زبردست شوروغل والے نعروں کی گونج میں پاگل ہوگئی اور قہقہے مارتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئی"۔۔۔ "اچھا۔۔۔!"

"اور سنو۔۔۔ مومن پورہ کے علاقے کا بھی ایک نوجوان پاگل جو مادرزاد برہنہ پھرتا رہتا تھا۔

جہادیوں کی طرف سے لگائے گئے نعرۂ تکبیر کی فلک شگاف آوازوں کی گونج میں ہوش میں آگیا۔"

"ارے واہ ـــــ ! یہ تو کمال ہو گیا بھئی"

"ہاں ـــــ اور وہ نوجوان پاگل جو ہوش میں آگیا تھا۔ معلوم ہے اس نے کیا کیا۔"

"کیا کیا؟"

"اس نے قریب سے گذرتے ہوئے ایک پولیس کے جوان پر پیچھے سے حملہ کر کے اس سے رائفل چھین لی اور رائفل کے کندے سے اس کا سر پھاڑ کر اسے نیچے گرا دیا۔ پھر اس کے بدن سے وردی اُتار کر اسے برہنہ کر دیا اور خود اس وردی میں اپنا برہنہ بدن چھپائے تیزی سے ایک گلی میں گھس گیا۔

"واہ ـــــ !" سننے والے کے منہ سے کلمۂ تحسین نکل گیا۔

▲▲

سر تو ایک ہی ہوتا ہے

اجی ہونا کیا تھا۔ بس پہلے سلام کے
ہ ہی کچھ ایسے تربیت یافتہ غنڈے جو بھیس بدلے
ئے تھے مسجد میں در آئے اور بلند آوازمیں نعرہ
بر لگایا۔ نمازیوں نے بھی دوسرا سلام پھیر کر
ی نعرہ بلند کیا....
س اتنا ہی ہوا جی، اس کے ساتھ ہی گولیاں
نے لگیں اور بھگدڑ مچ گئی ——— لوگ ایک
سرے کو کچلتے ہوئے، روندتے اِدھر اُدھر پناہ
رض سے بھاگنے لگے ——— میں بھی بھاگ رہا تھا
برے بازو والے نمازی کے سینے میں ایک گولی لگی

اور وہ وہیں سینہ پکڑے ڈھیر ہوگیا۔ میرے بھی پیر میں ایک گولی لگی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ــــــ اس کے بعد کیا ہوا ــــــ مجھے کچھ یاد نہیں جی ــــــ"

"آخر گولیاں کس نے چلائیں تھیں؟"

اجی چلاتا کون ــــــ آزادی سے پہلے جلیان والے باغ میں انگریزوں نے چلائیں تھیں۔ یہاں پی۔اے۔سی۔ نے چلائیں۔

"معلوم نہیں گولیاں چلانے کا حکم کس نے دیا تھا"۔

"کون دیتا جی ــــــ ایک سر ہی نے دیا۔ وہاں بھی یہاں بھی ــــــ اجی صاحب سر تو ایک ہی ہوتا ہے۔ صرف ٹوپیاں بدل جاتی ہیں، لباس بدل جاتے ہیں"۔

شرط

ایک دلال نے دوسرے دلال سے
پوچھا: "کیوں بھئی! کوئی بکری وکری ہے۔ بغیر
حلال کی"۔

"نہیں بھئی!" دوسرا دلال بولا ——
"ہاں —— دو چار بار حلال ہوئی سو ہے....
کہو تو لا دوں ——"

"نہیں ——" پہلا دلال بولا' اور جانے لگا
تو دوسرا دلال کچھ سوچ کر اسے پکارا
ارے ٹھیرو بھئی —— ٹھیرو —— جا کہاں
رہے ہو..... مجھے یاد آیا ایک بکری ہے بغیر

حلال کی ۔ لیکن .....“

”لیکن کیا ؟“ پہلا دلال جاتے جاتے رک گیا اور تشویش سے پوچھا۔

”یہی کہ بکری والوں کی بھی ایک شرط ہے کہ اسے ویزا کے ذریعہ باہر لے جاکر حلال کیا جائے“۔

”نہیں ـــــ یہ نہیں ہو سکتا ـــــ“

پہلا دلال مایوسی سے اپنا سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

گھی کہاں گیا

"کچھ سُنا تم نے ۔ رات دنگوں میں کیا ہوا ۔"

"کیا ہوا ؟"

"رات دنگوں میں کچھ غنڈوں نے مل کر حکومت کے ایک کوآپریٹیو گودام کی تالا شکنی کی اور وہاں رکھے کھانے پینے کے متفرق سامان، کپڑے کے تھانوں کے بنڈلوں کے علاوہ عورتوں کے بناؤ سنگھار کی کئی قیمتی اشیاء بھی لوٹ لیں ۔"

"اچھا ـــــــ !!"

اجی ! ابھی اور سنو ـــــ اس لوٹ کے

کچھ ہی گھنٹوں کے اندر اندر ریزرو پولیس نے بھی غنڈوں کو تلاش کر کے اُن کے پاس سے مال برآمد کر لیا اور اسے تھانے میں جمع کرا دیا اور اپنے آفیسروں سے شاباشی پائی۔"

"چلو اچھا ہوا ــــــ" سننے والے نے اطمینان کا سانس لیا۔

"ارے اچھا کہاں ہوا بھئی۔ تھانے کے عملے نے بھی شاباشی پانے کا ایک دوسرا طریقہ نکالا ــــ انہوں نے اپنے آفیسروں کی خوشنودی کی خاطر جن کی بیویاں فیشن کی دلدادہ تھیں لوٹے ہوئے مال میں سے بناؤ سنگھار کی کئی قیمتی اشیاء کو رجسٹروں میں انٹری لئے بناء ہی کچھ ان فیشن پرست بیویوں میں بانٹ دیا، کچھ کو آپریٹیو سوسائیٹیز کے ورکروں میں اور تھوڑا بہت اپنے حصّے میں سے اُوپر پہنچا دیا۔"

"واہ ــ! یعنی کہ ــ کھچڑی کہاں گئی ــــ گھی میں اور گھی کہاں گیا ــ پیاروں کے پیٹوں میں۔"

"اور کیا ــــــ"

حق ؟

"اپنا حق مانگنا کوئی بری بات تو نہیں ہے نہ۔"

"نہیں۔"

"اور جانوروں کو لڑانے کا حق مانگنا بھی کوئی بُری بات نہیں —— پھر یہ پابندی کیسی۔"

"کیسی پابندی؟"

"یہی جانوروں کو نہیں لڑانے والی۔"

"بھئی! اب زمانہ بدل گیا ہے —— آج کل جانوروں کی لڑائی بھی جانوروں کی لڑائی نہیں رہتی۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ اس لیئے کہ آج کل ایک بکرا مسلمان

کے پاس ہو تو۔ وہ مسلمان بکرا کہلائے گا۔ اور ہندو
کے پاس ہو تو وہ ہندو بکرا ہو گا ــــــ ظاہر ہے جب
یہ دونوں بکرے لڑیں گے تو کوئی نہ کوئی تو جیتے گا
ہی۔ اگر مسلمان بکرا جیتا تو جیت مسلمان کی ہوئی۔
اور ہندو بکرا جیتا تو جیت ہندو کی ہوئی ــــــ
اور اس لڑائی میں جو نعرے لگیں گے ظاہر ہے
وہ اپنے اپنے مذہبی نوعیت کے ہوں گے۔
اس لیے حکومت نے بھی جانوروں کی لڑائی پر پابندی
لگا دی ہے "

" لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ عوامی رائے اس
کے خلاف ہو گئی ہے ــــــ وہ سب نعرے
لگا رہے ہیں اس کے خلاف "

" کیا نعرے لگا رہے ہیں "

" یہی کہ ــــ پشوؤں اور پکھشیوں کو لڑانا ہمارا
پرکھانی حق ہے ــــــ اور ــــــ ہم اپنی یہ
مہان مریادا نہیں چھوڑ سکتے "

بھئی! یہی تو مشکل ہے آج کل کہ مذہب کا لبادہ انسانوں
کو بھی جانور بنا ڈالتا ہے "

" ہاں ــــــ یہ تو ہے ــــــ " ▲▲

غیر جانبدار

ایک پولیس انسپکٹر نے اپنے جوانوں سے سادات کے موقع پر انہیں مختلف جگہوں پر متعین کرنے سے پہلے ہر ایک کو بڑی کڑی ہدایت دی:

دیکھو جوانو! ہمیشہ کی طرح تمہیں غیر جانبدارانہ رویہ اپنانا ہے۔ بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے کام لینا ہوگا..... بعد میں تمہاری اس کارگزاری پر بڑے افسر سے تمہاری ترقی کی سفارش کروں گا۔"

دوسرے دن ہوا یہ کہ ایک جوان کو ترقی

مل گئی ۔ اُس نے بتلایا تھا :

" سر ! دنگے میں ایک جگہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک شخص کو بُری طرح پیٹا جا رہا ہے ۔۔۔۔۔تو میں فوراً سیٹیاں مارتا ہوا وہاں پہنچا ـــــــــــ میری سیٹیوں کی آوازوں پر پہلے تو غنڈے بھاگنے لگے پھر مجھے دیکھ کر وہ رُک گئے اور مار کھایا ہوا شخص بجائے اس کے کہ وہ بھاگتا ، میری طرف آنے لگا ۔۔۔۔۔۔ میں نے فوراً جانبدارانہ رویہ نے اپنا تے ہوئے اس پر گولی چلادی ۔

؁؁

للہ دے بندہ لے

دنگوں میں ہتھیاروں کے آزادانہ استعمال
لسل لوٹ اور غارت گری کے بعد حکومت نے
بر آ ہتھیاروں کے رکھنے کے خلاف سخت امتناعی
کامات صادر کر دئے اور اعلان کرا دیا کہ ہتھیاروں
کھوج کے لئے ہر جگہ کی تلاشی لی جائے گی
ر قانون کی گرفت میں آنے والوں کے خلاف
سخت ترین کاروائی کی جائے گی اور جیل بھی ہو گی ۔
سب سے پہلے ڈر کر امن پسند شہریوں نے اپنے
اس موجود تمام ہتھیاروں کو جس کو وہ خود حفاظتی بطور
رکھ چھوڑے تھے راتوں رات اندھے کنوؤں اور

میونسپل کے کچرا ڈبوں میں پھینک آئے۔

اشرار جو اس موقع کی تاک میں تھے حکومت کے اس " اللہ دے۔ بندہ لے" والے اقدام سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور ان ہتھیاروں کو اندھے کنوؤں اور میونسپل کے کچرا ڈبوں سے چوری چھپے حاصل کر لیا ——— پھر قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم ہوا کہ حکومت بھی امن و امان قائم کرنے میں بے بس ہو گئی۔

▲▲

زرین موقعہ

جلوس مذہبی تھا ـــــــ

ہر سال کی طرح اس سال بھی کہ کہیں جلوس میں شامل غنڈے انسانی جانوں سے نہ کھیلیں، پڑوسی ریاستوں سے کئی ڈویژن فوج منگوائی گئی تاکہ جلوس میں نظم وضبط قائم رہ سکے اور جانوں کا نقصان نہ ہو۔

جلوس اس لحاظ سے تو بہت کامیاب رہا کہ اس میں کئی لاکھ کا مجمع تھا ـــــــ لیکن اس میں بدنظمی صرف اتنی ہوئی کہ غنڈے جو ہمیشہ کی

طرح جلوس میں شامل ہو گئے تھے۔ اس بار انسانی
جانوں کو چھوڑ کر کئی گھنٹوں تک بے شمار دکانوں
کو لوٹتے رہے اور جگہ جگہ ان کو جلا کر خاکستر کرتے
رہے ..... اور کئی ڈیویژن فوج گن تانے کھڑی
رہی حکم کی منتظر..... لیکن حکم دینے والے
محو تماشہ تھے کہ ایسی آتش بازی دیکھنے کا ایسا
زرین موقع انہیں پھر کہاں نصیب ہوگا۔ ▲▲

رنگ میں بھنگ

ہولی کا تیوہار فساد کے رنگ میں

ڈوب گیا ــــــــــ

ہر جگہ پچکاریوں کی بجائے لاٹھیاں چلنے لگیں اور رنگوں کی بجائے خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

شانتی نگر میں ــــــــ

عثمان چاچا اور ڈھومل کاکا جو کبھی ایک دوسرے پہ پچکاریوں سے رنگ پھینکا کرتے تھے ایک دوسرے پر لاٹھیاں برسانے لگے ـــ...

ایک بچہ جو اپنی ماں کے ساتھ اس خونی کارروائی کو اپنے گھر کے مچان پر کھڑکی سے دیکھ

رہا تھا، خوشی سے چلا اٹھا:

"ماں ۔۔۔ ماں ۔۔۔ دیکھو ۔۔۔ دیکھو ۔
دھومل کاکا اور عثمان چاچا کیسے ہولی کھیل رہے ہیں ۔۔۔ لاٹھیوں سے ۔۔۔ مجھے بھی لاٹھی دو ماں۔ میں بھی لاٹھی سے ہولی کھیلوں گا ۔۔۔ پچکاریوں سے ہولی کھیلنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"کیوں اچھا نہیں لگتا ؟" ماں نے چڑ کر پوچھا۔

"دھومل کاکا اور عثمان چاچا کو بھی پچکاریوں سے ہولی کھیلنا کیوں اچھا نہیں لگتا ؟"

ماں نے فوراً اپنا سر پیٹ لیا اور ہاتھ بڑھا کر زور سے کھڑکی بند کر لی۔

▲▲

اُدھم پور کے آدم خور

اُدھم پور کے علاقے میں پچھلے کچھ دنوں سے جنگل میں نامکمل لاشیں ملنے لگیں تو وہاں کے لوگوں نے یہ فرض کر لیا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی آدم خور شیر کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے جو اودھم پور میں اُدھم مچائے ہوئے ہے ————
فوراً اس کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔

لیکن گاؤں والوں کی کافی کوششوں کے باوجود بھی شیر کا کوئی سراغ نہ لگا تو انہوں نے حکومت سے مدد مانگی کہ انہیں آدم خور شیر سے

نجات دلائی جائے۔

حکومت نے فوراً اعلان کرا دیا کہ جو کوئی بھی اس آدم خور شیر کو جان سے مارے گا اُسے دس ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔

گاؤں کے کچھ بہادر جوانوں نے انعام کے لالچ میں اس بیڑہ کو اٹھایا اور شیر کا شکار کر کے گاؤں ۔۔۔۔ والوں کو اس سے نجات دلائی اور انعام کو حاصل کر لیا ۔۔۔۔ اس مصمم ارادے کے ساتھ کہ اب وہ کبھی چھپ کر جنگل میں راہ گیروں کو لوٹ کر ان کی تکا بوٹی نہیں کریں گے کہ ناحق انہیں ایک بے قصور شیر کی جان لینی پڑی۔

دو ملکوں کی ایک کہانی

گجرات ۱۰ ر نومبر (پ۔ ن) کل رات کماماٹی پورہ کے علاقے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے تین گھر جلا دیئے۔ جس میں ۲ دو عورتیں، ۲ دو بچے ایک بوڑھا معہ مویشیوں کے زندہ جل گئے۔

کراچی ۱۰ ر نومبر (پ۔ ن) کل رات لالوکھیت کے علاقے میں سندھیوں نے مہاجروں کے تین گھر جلا دیئے۔ جس میں ۲ دو عورتیں، ۲ دو بچے، ایک بوڑھا مویشیوں کے زندہ جل گئے۔

"پرح پرح پرح ــــ" اخبار پڑھنے والے نے دونوں خبروں پر نظر ڈالی تو اس کے منہ سے کلمۂ تاسف نکل گیا ـــــ خبریں ایک کے نیچے ایک ایک ہی کالم میں چھپی تھیں۔

دوسرے دن اخبار میں :

گجرات ۔ ۱۱ر نومبر (ا۔ا) کاماٹی پورہ کے علاقے میں پرسوں ہوئے واقعہ کے ردعمل کے طور پر کل رات مسلمانوں نے بھی عثمان پورہ کے علاقے میں ہندوؤں کے تین گھر جلا دئے۔ جس میں اتنی ہی عورتیں، اتنے ہی بچے، بوڑھے، مویشی لقمۂ اجل ہو گئے۔

کراچی ۔ ۱۱ر نومبر (پ۔ن) لالوکھیت کے علاقے میں پرسوں ہوئے واقعہ کے ردعمل کے طور پر کل رات مہاجروں نے بھی ناظم آباد کے علاقے میں سندھیوں کے تین گھر جلا دیئے جس میں اتنی ہی عورتیں اتنے ہی بچے، بوڑھے، مویشی لقمۂ اجل ہو گئے۔

خبروں کو پڑھنے کے بعد یہ چاروں خبروں کے تراشے اُس نے اخبار سے کاٹ لیئے۔ اور ان تراشوں کو احتیاط سے ایک سادہ فل اسکیپ کاغذ پر سلسلہ وار چسپاں کر دیا ـــــ پھر اس نے گہرائی سے کچھ سوچا اور ان تراشوں کے سب سے نیچے اپنے قلم سے تحریر کیا ـــــ

"نیوٹن کے ایک کُلیہ کا ایک اور
کھُلا اور سچا ثبوت"

اس کے بعد اس نے اُس کاغذ کو ایڈیٹر کی نذر کرنے کے لیے کاغذ کی پیشانی پر ایک عنوان لکھا ـــ

"دو ۲ ملکوں کی ایک کہانی"

پھر اس نے اس کاغذ کو ڈاک کے سپرد کر دیا اشاعت کی غرض سے۔ اس سے بے پرواہ کہ ایک آزاد ملک میں بھی ایک ادیب کے ہاتھ بندھے رہتے ہیں اور اُس کے منہ پر ٹیپ چپکا رہتا ہے۔

▲▲

پان کی دوڑی

بالآخر مجرم گرفتار کرلیا گیا۔ جس نے دنگوں میں کئی قتل کئے تھے۔ اور اُسے لاکر حوالات میں بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جس تھانے کی حوالات میں اُسے بند کر دیا گیا تھا۔ اُس تھانے کا فون بج اُٹھا ــــ انسپکٹر سیٹ پر نہیں تھا۔ ڈیوٹی والے جمعدار نے فوراً فون اُٹھایا۔

فون پر کھرکھراتی آواز آئی ــــ جس مجرم کو ابھی لاکر حوالات میں بند کر دیا گیا ہے اس کو چھوڑ دو ــــ

جمعدار کی بھنویں تن گئیں۔ اس خیال سے کہ اُس کو دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ فون پر دھاڑا ——— "اجی صاحب! آپ ہیں کون ——— انسپکٹر صاحب سیٹ پر نہیں ہیں ——— ہم جب تک اوپر سے کوئی حکم نہ آئے مجرم کو اس طرح چھوڑ نہیں سکتے ——— سمجھے ———"

فون پر دوبارہ تیز آواز میں زیادہ کھرکھراتی آواز آئی ——— ہم اُوپر ہی سے حکم دے رہے ہیں ———

"کیا مطلب ——— !" جمعدار فوراً چکرا گیا۔ پھر اس خیال سے کہ فون کرنے والا کوئی شاطر کھلاڑی ہے۔ بولا ——— "آخر آپ ہیں کون جناب؟"

"حکم کا یکہ" جواب ملا۔

"حکم کا یکہ" جمعدار کو یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ کوئی چال ہی چلی جا رہی ہے۔ چنانچہ

اس نے ہنستے ہوئے اپنی ایک ٹانگ ہلاتے گویا ہوا ــــــــ "دیکھئے جناب! یہاں حکم کا یکّہ نہیں چلتا۔ پان کی دودّی چلتی ہے ــــــــ پان کھلاؤ کام نکال لو ــــــــ"

ــــــــ اور منسٹر نے جھلا کر فون کو کریڈل پر پٹک دیا: "معلوم نہیں پولیس میں کہاں کہاں سے لاکر گدھوں کو جمع کر دیا گیا ہے"

▲▲

خاندانی روایات

"میں تو ہر ہفتے تین بار اصلاح خانے جاکر اپنی داڑھی بنوانے کی زخ زخ سے تنگ آگیا ہوں۔ وہاں تو پہلے ہی اتنے لوگ اپنی داڑھی اور سر کے بال بنوانے کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ میری باری آتے آتے گھنٹہ آدھا گھنٹہ لگ ہی جاتا ہے۔"

"تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے اپنے گھر میں

شیونگ کا سامان لاکر رکھ لو اور خود اپنے ہاتھوں روز روز اپنی داڑھی بناؤ۔ اس طرح اصلاح خانہ جانے اور وہاں انتظار کی زخ زخ سے بچ جاؤ گے۔"

"نہیں —— یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔"

"کیوں ——؟"

"خود اپنے ہاتھوں داڑھی بنا لینا ہمارے خاندانی روایات کے خلاف ہے۔"

"ارے ہاں —— مجھے یاد آیا .... ہمارے یہاں ہمارے باپ دادا کے زمانے سے ایک بہشتی چلا آرہا تھا۔ اُس کو کبھی گھر پہ اپنے ہاتھوں اپنی داڑھی بنا لینے کی عادت نہیں تھی۔ یا پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ داڑھی بنانے کا سامان اُس کے پاس تھا ہی نہیں —— ایک بار میں اپنے سر کے بال بنوانے اصلاح خانے میں بیٹھا تھا کہ وہ آیا اور حجام سے استرا مانگ کر قریبی سرکاری پاخانوں کی طرف چلا گیا۔"

▲▲

مظاہرہ

وہ طاقتور ضرور تھا لیکن غنڈہ نہیں ـــــ

ایک بار دنگوں میں شرپسندوں نے اُسے گھیر کر اُس پر بُری طرح ہلّہ بول دیا ..... وہ ان کا دیوانہ وار مقابلہ کرتا بچتا بچاتا، پولیس اسٹیشن پہنچا۔

پولیس اسٹیشن میں متعین جمعدار نے پہلے تو اس کے مضبوط جسم کو ٹھوک بجا کر بغور دیکھا اور اندازہ کرلیا کہ ابھی جسم ذاروں کو سہہ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے

اپنی لاٹھی اُٹھائی اور زور سے دھاڑا:

"کیوں بے حرام خور! بے قصور افراد پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لے چکھ اب اس کا بھی مزہ۔" کہتے ہوئے جمعدار نے اس نوجوان پر لاٹھی سے ماروں کی خوب بارش شروع کر دی....

جب نوجوان ماروں کو نہ سہہ کر چکرا کر اُس کے قدموں میں گر پڑا تو جمعدار اپنی موچھوں پر تاؤ دیتا نوجوان پر اوروں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرنے کے الزام میں ایک دفعہ لگا دی اور اسے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا۔

آم کے آم ....

وہ خوبصورت تھا ۔ لیکن اُس نے ایک
کالی پیلی معمولی صورت و شکل کی لڑکی سے شادی کی ۔ اور
ایسی شادی کی ایک اچھی مثال قایم کی ______
یار لوگوں نے اُس کا مذاق اُڑایا :
" ارے چھوڑو ! لڑکی کالی پیلی، معمولی
صورت و شکل کی ہوئی تو کیا ہوا، سروس کر رہی
ہے گورنمنٹ کی ______ یعنی کہ آم کے آم
گٹھلیوں کے دام "۔

▲▲

اپنی لاٹھی اُٹھائی اور زور سے دھاڑا ؛

"کیوں بے حرام خور ! بے قصور افراد پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لے چکھ اب اس کا بھی مزہ" کہتے ہوئے جمعدار نے اس نوجوان پر لاٹھی سے ماروں کی خوب بارش شروع کر دی ....

جب نوجوان ماروں کو نہ سہہ کر چکرا کر اُس کے قدموں میں گر پڑا تو جمعدار اپنی موچھوں پر تاؤ دیتا نوجوان پر اوروں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرنے کے الزام میں ایک دفعہ لگا دی اور اسے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا۔

آم کے آم ....

وہ خوبصورت تھا ۔ لیکن اُس نے ایک کالی پیلی معمولی صورت وشکل کی لڑکی سے شادی کی ۔ اور ایسی شادی کی ایک اچھی مثال قایم کی ——

یار لوگوں نے اُس کا مذاق اُڑایا :

" ارے چھوڑو ! لڑکی کالی پیلی، معمولی صورت وشکل کی ہوئی تو کیا ہوا، سروس کر رہی ہے گورنمنٹ کی —— یعنی کہ آم کے آم گٹھلیوں کے دام "

▲▲

ایک بنگلہ بنے نیارا

سنگ تراشوں نے کئی دن کئی رات ایک کر کے سالوں کی محنت و جانفشانی کے بعد ایک ہی بڑے پتھر سے جو کئی فٹ لانبا اور کئی فٹ چوڑا تھا آہنسا کے علمبردار کی ایک بڑی نشانی تراشی جس پر حکومت کا کروڑہا روپیہ پانی کی طرح بہا۔

پھر اس نشانی کو ساگر کے بیچ ایک خودساختہ چٹان (راک) پر نصب کرنے کے لیے ایک مضبوط کشتی مہیا کی گئی۔ اور اس مضبوط کشتی کے ذریعہ اس کو بیچ ساگر لے جایا جارہا تھا کہ

کشتی اس کے بوجھ سے ایک طرف جھک گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے کئی شرد ھالوں سمیت جو اُسے تھامے ہوئے جئے بجئے کار کے آہنا دالے نعرے بلند کر رہے تھے، غرقِ آب ہوگئی۔

ہزاروں لوگ جو اُس وقت وہاں موجود تھے اور اس واقعہ کے عینی گواہ، اُن میں سے مختلف لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس واقعہ پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔

ایک نے کہا: "اتنا صرفہ اگر کسی انڈسٹری کو قائم کرنے میں صرف ہوتا تو یہاں کے لوگوں کو روزگار مہیا ہوتا۔ اور بھوک مری میں افاقہ ہوتا۔"

دوسرے نے کہا: "چلو اچھا ہوا کم از کم اتنے دنوں تک سنگ تراشوں کا روزگار تو چلتا رہا۔ اور اب وہ کم از کم کچھ دن تو آرام سے گھر بیٹھے کھا سکتے ہیں۔"

تیسرا بولا: "اگر یہ وہاں نصب ہو جاتا تو یہ دُنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوتا۔"

چوتھا بولا: اگر یہ وہاں اب نصب بھی ہو جائے تو یہ آہنسا کی نشانی کی بجائے ہنسا کی نشانی ہو گا۔"

کچھ سنگ تراش جو وہاں موجود تھے۔ بولے:
"یہ ہماری زندگی کا بڑا ہی المناک واقعہ ہے۔"

اُسی وقت کبوتروں کا ایک جوڑا اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا بڑی تیزی سے اُن سنگ تراشوں کے سروں کے اوپر سے گذر گیا ——
وہ دونوں آپس میں یوں گویا تھے:

"ہم نے تو سوچ رکھا تھا کہ ہم اپنا گھونسلہ اس نشانی کی اونچائی پر بنائیں گے۔ تاکہ یہ ہوادار اور ٹھنڈا رہے —— جیسے انسان شملہ اور اوٹی

پر اپنے بنگلے بناتے ہیں"۔

"ہاں ——" دوسرا بولا —— اب اتنی سہولت بخش جگہ ہمیں اور کہاں ملے گی —— وہ بھی عین ساگر کے بیچ"۔

سنگ تراش جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے سروں کو اوپر اٹھا کر ان کبوتروں کی طرف دیکھا ...... اس طرح جیسے وہ ان کی بولی سمجھ رہے ہوں۔

تبھی پرندوں نے اڑتے اڑتے بیٹ کر دی۔ جو بڑی تیزی سے اس راک پر گر کر، جہاں اس نشانی کو نصب کیا جانے والا تھا، ایک بڑا سفید دھبّہ چھوڑ گئی۔ ▲▲

آنکھ کے اندھے نام نین سکھ

سینڈھی کمپاؤنڈ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا
لوگ کمپاؤنڈ میں جگہ جگہ جھنڈوں کی شکل میں
بیٹھے ہوئے نشہ کم کر رہے تھے اور گالیاں
زیادہ بک رہے تھے کہ کوئی باہر سے دندناتا
ہوا کمپاؤنڈ میں در آیا اور چلّاتا ہوا باہر
نکل گیا۔

"بھاگو! بھاگو!! پولیس آرہی ہے۔
باہر لاش گری ہے ——— کسی نے چھرا مار دیا۔"

یہ سنتے ہی سارا کمپاؤنڈ منٹوں میں

خالی ہوگیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد پولیس کے چار جوان زور زور سے سیٹیاں مارتے ہوئے لاش کو الانگتے پھلانگتے جو سیندھی خانہ کے گیٹ کے پاس ہی پڑی ہوئی تھی، تیزی سے کمپاونڈ میں در آئے اور سیدھا سیندھی خانہ کے مالک کے پاس جاکر جو کاؤنٹر پر دہشت زدہ بیٹھا ہوا تھا، ڈرا دھمکا کر کہ اُسے قتل کے کیس میں اندر کر دیں گے دو چار شیشے سیندھی کے زبردستی کاؤنٹر سے اٹھا لائے اور پھر وہ سب کمپاونڈ میں بیٹھے نشہ کر رہے تھے اور گالیاں بک رہے تھے ....

پھر وہ نشہ کی حالت میں ہی جوں ہی کمپاؤنڈ سے باہر نکلے۔ یکدم اُن کے ہوش اڑ گئے۔ یہ دیکھ کر کے لاش وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

وہ حیرتا سے ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے کہ آخر لاش کدھر چلی گئی .....

ایک جو زیادہ نشہ میں تھا، آنکھیں بچپاتے گمبھیرتا سے بولا ــــــ معلوم ہوتا ہے

لاش اُٹھ کر کہیں چلی گئی۔"

"چپ رہ بے وقوف" دوسرا ڈانٹا
—— لاش اُٹھ کر کیسے جا سکتی ہے —— ضرور
دال میں کچھ کالا ہے۔"

"ہم کو اس سے مطلب ؟"
تیسرا جو نشہ کے باوجود بہکا نہیں تھا، بولا ——
"سمجھ لو کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں ۔" پھر وہ اپنے
دوسرے ساتھیوں سے مخاطب ہوا —— "کیوں بھئی!
یہاں ہم نے کچھ دیکھا ۔" سب اس کی ہاں میں ہاں
ملائے —— نہیں کچھ نہیں —— تو پھر چلو ——
یہاں ہم کیوں بے کار ٹھہرے ہیں —— ہاں
چلو! چلو!! سب ایک ساتھ بولے اور وہاں
سے فوراً کھسک گئے۔

▲▲

ڈھاک کے دو پات

وہ دونوں صورت سے ہی گھاگ لگ رہے تھے ۔ اُن میں سے ایک جس کا تعلق منڈلی سے تھا اُس کے ماتھے پر بڑا سا لال تلک کھچا ہوا تھا ——— اور دوسرے کی ٹھڈّی اور گال جو داڑھی کے چھوٹے چھوٹے سخت کالے اور سفید بالوں سے اٹی ہوئی تھی ۔ اُس کا تعلق کیلٹی سے تھا۔ وہ کافی لحیم شحیم تھا ——— لیکن وہ دونوں کام ان سنستھاؤں کا مِل کر ہی کرتے تھے ..... یعنی تلک والا شکار کو چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر اپنی مضبوط باہوں میں جکڑ لیتا تھا ۔ اور داڑھی والا چھرے سے

اُس شکار کا کام تمام کر دیتا تھا ——— پھر اطمینان کر لینے کے بعد کہ مرنے والا شہید ہوا ہے یا امر، یہ اپنی اپنی سنستھاؤں کو اس کی اطلاع دے کر وہاں سے خاصی رقم اینٹھ لیتے تھے۔ اور یوں اُن کا کاروبار خوب چلتا تھا، اُن دنوں جب چاروں طرف دنگے پھیل جاتے اور کرفیو لگ جاتا۔

آج بھی وہ اسی کام کے سلسلے میں جب کہ کرفیو لگا ہوا تھا، بڑی دیر سے گھات لگائے ایک چھوٹے سے چبوترے پر جھاڑ کی آڑ میں چھپے بیٹھے تھے کہ کوئی بھولا بھٹکا ادھر آ نکلا تو فوراً اس کا کام تمام کر دیں گے

جب بیٹھے بیٹھے انہیں کافی دیر ہو گئی تو وہ بور ہونے لگے ...... تلک والے نے بڑے زور سے انگڑائی توڑتے ہوئے جمائی لی۔

"چلو یہاں سے اُٹھ چلیں۔ کہیں دوسری جگہ جا بیٹھیں ...... معلوم ہوتا ہے یہاں تو

ایک چوہا بھی نہ پھنسے گا..... سب ہشیار ہوگئے ہیں۔"

"ہاں! شائید تم سچ کہہ رہے ہو"
داڑھی والے نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا —— لیکن ..... انسانی ضروریات بھی اس کو کبھی مجبور کر دیتی ہیں۔ اور وہ نہیں نکلنے کے باوجود بھی گھر سے باہر نکل پڑتا ہے۔

"بالکل —— بس اسی وقت کا تو ہمیں انتظار رہتا ہے۔" تلک والے نے مسکرا کر کہا۔
"دیکھو! دیکھو!! کوئی آرہا ہے...... ضرورت کا مارا۔" داڑھی والے نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔

انہیں گلی کے نکڑ پر ایک ایسا شخص دکھائی دیا جو اتنا نحیف و زار تھا کہ پھونکو تو اڑ جائے... وہ لڑکھڑاتا ہوا، ادھر اُدھر دیکھتا، چوکنا سا آگے بڑھ رہا تھا......

معلوم ہوتا ہے چوہا بھوک سے بلبلا کر آخر
بل سے باہر نکل ہی آیا۔" تلک والے نے اس کی
طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔
"ہمیں اس سے کیا۔" داڑھی والے نے کڑکڑاہٹ
کے ساتھ چھرے کے دستے میں سے چمکدار تیز لانبے پھل کو
باہر کھینچتے ہوئے بولا ——— "ہم کو تو صرف جان چاہیئے۔
وہ بھوکا ہو کر لنگڑا لولا .... چلو چلو دیر نہ
کرو۔ ہمیں پہلے اپنے کام کو نپٹانا ہے۔ کرفیو میں نرمی
کا وقت قریب آ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سب لوگ
اپنے اپنے گھروں کے دروازے کھول کر وقت پر باہر
نکل آئیں ..... تو پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔"
"ہاں ——— ہاں ——— چلو چلو ——— تلک
والے نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

لیکن اُن کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی نحیف و زار
گلی کے نکڑ پر ہی پڑے گھڑ کے ڈھیر پر جھپٹ
پڑا۔ اور دونوں ہاتھوں سے گھڑ کو کریدتے ہوئے
اُس پر پڑے کھانے کو جلدی جلدی چبائے بغیر

ہی نگلنے لگا۔ اس کو پتہ ہی نہ چلا کہ موت
اس کے سر پر آکھڑی ہے —— پتہ اُس کو اُس
وقت چلا جب کوئی ٹھنڈی سی چیز اُس کے پیٹ
میں اُتری اور .... پیٹ میں اتنی زور کی
گڑبڑ اٹھی کہ اُس کا کھایا پیا جیسے سب باہر
نکل جائے گا —— اور اکثر بدہضمی کی حالت
میں یہی ہوتا ہے کہ منہ سے قے نکل جاتی ہے .....
لیکن منہ تو بند ہے —— اُس نے سوچا —— کھانے
کے نوالے سے۔ پھر قے اس کے پیٹ نے کر دی؟
—— ایک بڑی قے جس میں اس کی تمام انتڑیاں
باہر نکل آئیں تھیں —— اُس نے گھبرا کر اپنی انتڑیوں
کی طرف دیکھا۔ تب اُس کو اتنی دہشت ہوئی کہ وہ
چیخ بھی نہ سکا۔ اور سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا
...... اس کی کانپتی ہوئی نظروں کے سامنے
دو انسان تھے یا شیطان ...... اس کا اندازہ
وہ نہ لگا سکا۔ اور وہیں گھڑے پہ ہی لڑھک کر
ڈھیر ہو گیا۔
داڑھی والا یکدم چونک گیا۔ اور جھک کر

مرنے والے کی صورت دیکھنے لگا.....

"کیوں ! کیا ہوا !!" تلک والے نے پوچھا:

"ہم سے بڑی غلطی سرزد ہوگئی۔ یہ.....

یہ..... ہمارے ہی اُٹھنے بیٹھنے والوں میں سے تھا۔

"کیا مطلب ــــ ؟" تلک والے نے تشویش سے پوچھا۔

یہی کہ ــــ جب ہم بے روزگار تھے اور ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا تو یہ ہمارے ساتھ بھیک مانگا کرتا تھا۔ لیکن کسی پر اپنا مذہب ظاہر نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ وہ رنڈی کے بطن سے تھا" اور لامذہب۔ کسی کو اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا ــــ ہاں جمعہ کے دن وہ مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتا تھا بھیک مانگنے اور ہفتہ کے دن مندر کے دروازے پر۔" کہتے ہوئے داڑھی والا تاسف سے اپنے سر کو جھٹکنے لگا.....

"افسوس ــــ صد افسوس" ــــ ہم نے بڑی غلطی کردی ــــ آج ہم نے ایک ایسے آدمی کا

خون کر دیا ہے جو نہ صرف ہمارا دوست تھا بلکہ اُس کا کوئی مذہب ہی نہیں تھا۔"

"پچ پچ پچ ـــــــ" تلک والے کے منہ سے کلمۂ تاسف نکلا ـــــــ "آج ہم نے ایک غلط کیس پکڑا۔ معلوم نہیں صبح ہم کس کی صورت دیکھ کر اُٹھے تھے۔ لیکن اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ـــــــ اوپر والا ہم کو ضرور معاف کرے گا۔"

پھر وہ دونوں اس بے نامی کیس پر کفِ افسوس ملتے ہوئے وہاں سے فوراً کھسک گئے۔

▲▲

بھونچال

وہ چاروں نوجوان تھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اُن کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں تھیں۔ لیکن وہ بے روزگار تھے۔ کیوں کہ اُن کے پاس جو بڑی بڑی ڈگریاں تھیں وہ کسی کام کی نہیں تھیں ـــــ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے انہوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ ڈگریاں جو وہ حاصل کرنے جا رہے ہیں وہ روزگار کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ بلکہ اُن کے حق میں ایک رکاوٹ بن جائینگی آگے چل کر جب انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کی تمنا میں ایسا کام بھی کرنا پڑے گا جو ایک جاہل بھی کرسکتا ہے۔ جس کے پیٹ میں الف

کا نام بھالا ہو۔

بحرحال ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد انہیں بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں کہیں بھی نوکریاں نہیں مل سکیں تو انہوں نے گاندھیائی طریقے کے پیش نظر اپنی ڈگریوں کی ہولی جلائی اور عہد کیا :

"اب ہم سب یہ بھول جائیں گے کہ کبھی ہم نے تعلیم بھی حاصل کی تھی - یونیورسٹی بھی گئے تھے اور بڑی بڑی کتابیں پڑھیں تھیں ـــــ" یہ کہتے ہوئے وہ چاروں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جلتی ہوئی ہولی کے اطراف گھیرے ہوئے، ہائے ـــــ ہائے ـــــ کرنے لگے ....

اعلیٰ تعلیم ـــــ ہائے، ہائے
بڑی بڑی کتابیں ـــــ ہائے، ہائے
یونیورسٹی کی عمارتیں ـــــ ہائے، ہائے

اگر یہی مظاہرہ وہ شہر کے عین بیچ کرتے تو وہ شاید حراست میں لے لئے جاتے - یا پھر اُن کے اطراف لوگوں کا ایک خاصہ جمگھٹا ہو جاتا .... لیکن انہوں نے

شہر سے دور مضافات میں ایسا مظاہرہ کرنے کی ٹھان لی تھی ۔ کیوں کہ انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ ایسا مظاہرہ وہ شہر میں نہ کر سکیں گے ۔ اگر کریں بھی تو شائید لوگ انہیں پاگل تصور کریں گے ۔ اور ان کے ذہنوں کو اس سے وہ آسودگی حاصل نہیں ہو سکے گی جو شہر سے دور ایسا کرنے میں ہو سکتی ہے ۔

چنانچہ جس وقت وہ چاروں اپنی ڈگریوں کی ہولی جلائے ' ہائے — ہائے — کر رہے تھے ' افق پر سورج غروب ہو رہا تھا اور ہولی جل رہی تھی ..... تبھی ایک صحت مند توانا نوجوان جو صورت شکل سے پڑھا لکھا لگ رہا تھا اور جس کے چہرے پر موٹے فریم کی عینک چڑھی ہوئی تھی ' جھاڑیوں میں سے نمودار ہوا اور ان کی طرف دیکھتا ہوا ' بڑی نرمی سے بولا :

" یہ کیا کر رہے ہو تم سب لوگ یہاں — یہ کیا گڑبڑ مچا رکھی ہے ۔"

چاروں نے مل کر ایک ساتھ جواب دیا :

ہم اپنے ڈگریوں کی ہولی جلا رہے ہیں۔ جو ہمارے
سی کام کی نہیں۔ جو ہمیں ایک چھوٹی موٹی نوکری
ھی نہیں دلا سکتیں ـــــ آؤ ـــــ تمہارے پاس
ی کوئی ڈگری ہو تو اس کو بھی اس میں جھونک دو
ـــــ اور ـــــ ہماری ہائے ہائے میں
شامل ہو جاؤ۔"

"میں نے تو اپنی ڈگری کبھی کے جلا ڈالی
ہے۔" نووارد نے کہا۔

"کبھی کے جلا ڈالی ہے ـــــ !!" وہ چاروں
دم بھونکے ـــــ" کیا تمہاری ڈگری بھی تمہیں
ئی نوکری نہیں دلا سکی تھی۔"

"ہاں ـــــ نووارد کے چہرے پر مسکراہٹ
ل گئی ۔۔۔۔۔ چونکہ میں نے ڈگری سے تعلیم کا
ور اپنے ذہن میں سائنسی نقطۂ نظر سے مقطر
ر لیا ہے۔ چنانچہ ڈگری میرے لئے ایک ایسا
لدا بن کر رہ گئی تھی جس کا نچوڑ حاصل کر لیا
یا ہو ـــــ اس لئے میں نے اُسے جلا ڈالا۔"

"پھر اب تم کیا کرتے ہو؟" چاروں نے

تجسس سے ایک ساتھ پوچھا۔

"بہت کچھ...... کرنے کے لیئے صرف دو ہاتھ درکار ہوتے ہیں۔ اور ان ہاتھوں کو کام میں لانے کے لیئے تیز دماغ کی اور تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے ـــــ تعلیم تو میں نے حاصل کر لی ہے اور اب دماغ سے کام کر رہا ہوں۔"

"ہم بھی تعلیم یافتہ ہیں ـــــ تم ہمیں کام بتلاؤ ـــــ ہم بھی ہر کام کر سکتے ہیں" چاروں نے مستحکم لہجہ میں کہا۔

"کیا کسی کی جان بھی لے سکتے ہو۔"

وہ چونک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ ہم کسی کی جان نہیں لے سکتے۔"

"پھر تم...... ہر کام کر سکتے ہو ـــــ" نو وارد نے مسکرا کر کہا ـــــ "جان لینے کے سوا"

"معلوم ہوتا ہے تم تشدد پسند نہیں ہو ـــــ" وہ چاروں تذبذب میں پڑ گئے۔

"ہاں ـــــ" نو وارد کے ہونٹ طنزیہ انداز میں

سکڑ گئے —— لیکن لوگ ہم کو تشدد پسند کہتے ہیں۔

"وہ کیوں؟" چاروں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"کیوں کہ ہم کو انصاف دلانے کے لیئے وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی حکومت بھی نہیں کر سکتی۔"

"کیا مطلب؟ اور کیسا انصاف؟"

"سنو —— غریب کسانوں سے زمین چھین لی جاتی ہے، زمین داروں کے ہاتھوں اور غریب کسان کچھ نہیں کر سکتا —— جھگی جھونپڑیاں جلادی جاتی ہیں امیروں کے ہاتھوں، لیکن ان جھونپڑیوں کے مکینوں کو کوئی بچا نہیں سکتا — ان کی عورتوں کی عزتیں لوٹ لی جاتی ہیں اجتماعی طور پر، لیکن ان حرامیوں کی طرف کوئی انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

اور —— اور دنگوں میں محنت کش لوگوں کی جانیں لے لی جاتی ہیں غنڈوں کے ہاتھوں لیکن پولیس کچھ نہیں کرتی بلکہ وہ غنڈوں سے مل جاتی ہے۔

وہ چاروں کے ذہن یکدم صاف ہو گئے۔ دُھلے شیشے کی مانند اور وہ سب یکساتھ بولے:

"ہم کو بھی تم میں شامل کر لو —— ہم بھی کوشش

کریں گے کہ لوگوں کو انصاف دلا سکیں ــــ لیکن ہم کسی کی جان نہ لیں گے۔"

"بہت خوب ــــ میں بھی کسی کی جان نہیں لیتا۔" نووارد نے کہا ــــ "بغیر کرسیوں اور گدیوں پر بیٹھے ہم اُن کا کام کرتے ہیں۔ جو یہ کام نہیں کر پاتے ــــ کیوں کہ وہ تو ہر دم کرسیوں اور گدیوں کو بچانے میں جُٹے رہتے ہیں ــــ اس لیۓ اُن کا کام ہمیں کو کرنا پڑتا ہے ــــ کیوں ہے نہ ــــ"

"ہاں ــــ" چاروں نے ایک ساتھ کہا۔ اور اتنی زور سے کہا، لگا کہ ــــ کرسیوں اور گدیوں میں بھونچال آجاۓ گا۔

کالی ٹھیکری لال ٹھیکری

وہ نیم پاگل مشہور تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی وہ بعض اوقات ایسی عقل مندی کی بات کر جاتا تھا کہ ہوش مندوں کے ہوش اڑ جاتے اور وہ سوچنے لگ جاتے کہ معلوم نہیں ہم پاگل ہیں یا وہ پاگل ہے۔ اس لئے اپنے پاگل پن کی پول کھل جانے کے ڈر سے وہ ہمیشہ اس سے دور دور ہی رہا کرتے تھے کہ معلوم نہیں وہ کب کیا کہہ دے۔

چنانچہ زمین "دھرم بھومی" کی اور "عبادت گاہ" کی کا مسئلہ جو کئی سالوں سے عدالت میں زیرِ دوراں تھا اور تا حال اس کا کوئی حل نکل نہ پایا تھا، تو اس نے ہنس کر کہا تھا: "یہ ایسا مسئلہ ہے جس کا حل صرف میں ہی نکال سکتا ہوں۔ عدالت کیا نکال سکے گی۔" لوگ ہنس کر خاموش ہو گئے بلکہ ڈر کر خاموش ہو گئے کہ نہ جانے یہ پاگل پن میں اور کیا کہہ دے کہ دونوں فرقوں میں سر پھٹول کی نوبت آجائے۔

ایک دن اس نے اپنے پاگل پن میں ہر دو فرقوں کے کچھ لوگوں کو جو جلدی میں اس مسئلہ کے حل کے لئے آتاؤلے ہوئے جا رہے تھے جمع کیا اور بولا: "آؤ سب مل بیٹھو۔ اور میں جیسا بولتا ہوں ویسا کرو۔"

پھر اس نے زمین پر سے دو ٹھیکریاں اٹھائیں ایک کالی اور ایک لال۔ اور بولا "کالی ٹھیکری! "دھرم بھومی" والوں کی اور لال ٹھیکری! "عبادت گاہ" والوں کی ــــــ جس کی بھی ٹھیکری اٹھے گی زمین یا

بھومی اُس کی ہو جائے گی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ٹھیکری اُٹھائے گا کون۔ دونوں ہی ٹھیکریاں اٹھانے پر مُصر تھے۔

اُس نے کہا۔ "نہیں ایسا نہیں۔ ٹھیکری دونوں میں سے کوئی نہیں اُٹھائے گا۔ بلکہ ہم دونوں ہی ٹھیکریاں کو اس مقام پر رکھ دیں گے۔ جہاں کی زمین یا بھومی کا فیصلہ ہونا ہے اور انتظار کریں گے کہ کوا کس ٹھیکری پر اپنی بیٹ (غلاظت) کرتا ہے۔ جس ٹھیکری پر وہ بیٹ کرے گا۔ بھومی یا زمین اُس کی ہو جائے گی۔"

سب پاگلوں نے ہاں میں ہاں ملائی اور اس مقام پر ٹھیکریوں کو رکھ کر انتظار میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں کوا کس ٹھیکری پر بیٹ کرتا ہے ـــــــــ لیکن کوے کی بیٹ ہمیشہ ادھر اُدھر گرتی رہی اور ٹھیکریوں پر نہیں تو سب مایوس ہو گئے۔ لیکن پھر بھی حوصلہ نہیں چھوڑے۔

آخر انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو پاگل نے کہا۔ "نہیں ایسا نہیں۔ ہم اس میں ایک اور ٹھیکری کا اضافہ کر دیں گے اور دیکھیں گے کہ

اب کوئے کی بیٹ کس ٹھیکری پر گرتی ہے"۔

چنانچہ جیسے ہی اس نے تیسری ٹھیکری جو سفید تھی وہاں رکھی تو کوئے نے فوراً کہیں سے اڑتے ہوئے آکر اس پر بیٹ کر دی۔

کالی ٹھیکری اور لال ٹھیکری والے دونوں ہی مایوس ہو گئے اور سوالیہ انداز میں اس پاگل کی طرف دیکھنے لگے ..... پاگل پہلے ہنسا پھر رویا اور اپنی انگلی اوپر اٹھادی۔

کالی ٹھیکری اور لال ٹھیکری والوں کو مطلب تو سمجھ میں آگیا۔ لیکن وہ پریشان تھے کہ آخر پاگل پہلے ہنسا کیوں پھر رویا کیوں۔

پاگل بولا : "پہلے ہنسا اس لئے کہ تم دونوں ہی پاگل ہو۔ ناحق جھگڑ رہے ہو۔ پھر رویا اسلئے کہ تم اوپر والے کو جو ایک ہی ہے الگ الگ ناموں سے پکارتے ہو اور سمجھتے ہو کہ دونوں الگ الگ ہیں"۔

پھر قبل اس کے وہ پاگل اور کوئی عقل مندی کی بات کرتا جس سے ان کے پاگل پن کی پول کھل جاتی وہ سب وہاں سے دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ▲▲

تین راؤنڈ فائر

ڈی-یس-پی نریندر شرما نے پولیس اسٹیشن چھتری ناکہ پہنچتے ہی، اُن تینوں کانسٹیبلس کو بلایا جنہوں نے ۱۱ر ڈسمبر کی شب ایک فرقے کے تقریباً چار سو افراد پر جو تلوار، چاقو، لاٹھیوں اور دوسرے مہلک ہتھیاروں سے لیس تھے اور دوسرے فرقے کے مکانات اور عبادت گاہوں پر حملہ کے لئے سید علی چبوترہ پہنچے تھے، انہیں منتشر کرنے کے لئے فائرنگ کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ تینوں کانسٹیبلس ڈی-یس-پی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

اُن کانسٹیبلس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے ڈی یس پی

نے کہا۔" تم میں جس کسی نے بھی ۱۱ر ڈسمبر کی شب علاقہ سید علی چبوترہ میں ایک ماب (MOB) پر فائرنگ کی تھی وہ میرے سامنے آئے۔ میں اس کو انعام دینا چاہتا ہوں۔"

فوراً اُن میں قیصر نامی ایک کانسٹیبل جوش کے ساتھ آگے بڑھا اور انہیں سلیوٹ کر کے بتلایا۔" سر! میں نے ہی ایک بڑی خون ریزی کو روکنے کے لئے اُس ماب (MOB) پر تین راؤنڈ فائرنگ کی تھی۔"

یہ سنتے ہی ڈی۔ یس۔ پی نے اس کے گال پر ایک زور دار طمانچہ رسید کر دیا۔ اور وردی پکڑ کر اسکو ڈھکیل دیا۔" نکل جاؤ میرے سامنے سے"۔ پھر اُس نے کانسٹیبل سے سروس رائفل چھین لی اور اے۔ سی۔ پی مسٹر سومیاؔ کو حکم دیا کہ وہ اسے معطل کر دیں۔

کانسٹیبل قیصر ڈی۔ یس۔ پی کے اس طرح کے طرز عمل پر پریشان ہو گیا ـــــ اُس نے تو ڈی۔ یس۔ پی کے بلانے پر یہ یقین کر لیا تھا کہ اُسے ایک بہت بڑے انعام سے نوازا جائے گا۔ کیوں کہ اُس نے ایک بڑی ہونے والی خون ریزی کو گولی چلا کر روک دیا تھا ...... لیکن

ایک بہت بڑے انعام کی بجائے ڈی۔ ایس۔ پی کا تھپڑ ـــــ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ پولیس میں فرقہ پرستی کا زہر اس حد تک سرایت کر گیا ہے کہ اب لا اینڈ آرڈر ایک مذاق بن کر رہ جائے گا...... چنانچہ آج جو کچھ ہوا اس کے ساتھ اس سے اس کا دل دہل اُٹھا تھا۔

اس واقعہ کے فوری بعد ہی اے۔ سی۔ پی سومیّا نے ڈی۔ ایس۔ پی کی اجازت سے کانسٹیبل قیصر کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور دوسرے فرقے کے گھروں اور عبادت گاہوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے ـــــ اس دوران کانسٹیبل قیصر نے اے۔ سی۔ پی۔ کو کئی بار دبی زبان میں اس کی اطلاع بھی دی کہ صرف اقلیتی فرقے کے گھروں کی تلاشی اور بے قصور افراد کی گرفتاری چھوڑ کر اُس طرف توجہ دیں جہاں اکثریتی فرقے کے افراد ایک بڑی تیاری کے ساتھ، جن کے پاس کافی تعداد میں ہتھیار ہیں، دوسرے فرقے کے گھروں پر حملہ بولنے والے ہیں، ان گھروں کی تلاشی لی جائے۔

لیکن اے۔ سی۔ پی سومیاّ نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ اُس نے ہر بار اُسے ڈانٹ دیا کہ تم چُپ رہو۔

ایک دن قیصر جیپ میں اے۔ سی۔ پی سومیاّ کی قیادت میں دیگر کانسٹیبلس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جیپ انجن باؤلی کے قریب فلک نما ڈپو کے پاس ٹھیری ہوئی تھی اور وائرلیس سیٹ پر ہر طرف سے دنگوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ اے۔ سی۔ پی ان خبروں کو بڑی توجہ اور انہماک سے سننے میں محو تھا۔ ...... تبھی وائرلیس سیٹ پھر کھڑکھڑایا۔ اور اُس میں سے تھرتھراتی آواز آنے لگی ...... گولی پورہ پولیس اسٹیشن ...... گولی پورہ پولیس اسٹیشن ...... لال دروازہ میں قتل کی چار وارداتیں ہوچکی ہیں گاندھی کے پُتلے کے قریب اور اطراف واکناف کے کئی گھروں کو آگ لگادی گئی ہے ...... اور ......

قیصر کے کان یکدم کھڑے ہوگئے۔ خود اس کا اپنا گھر بھی اسی علاقے میں تھا۔ یہ سنتے ہی وہ پریشان

ہوگیا۔ اس کے حواس معطل ہو گئے اور اس پر دیوانگی کی ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ اس نے فوراً اپنی گن اٹھائی اور پیچھے سے ہی اے ایس۔ پی۔ سومیاّ کی گردن پر فائر کر دیا۔

سومیاّ جیپ میں ہی بیٹھے بیٹھے سیٹ پر لڑھک گیا ـــــ جیپ میں سوار دیگر کانسٹیبلس نے جھپٹ کر قیصر کو دبوچ لیا۔ لیکن اس سے قبل ہی قیصر جس نے فائر کیا تھا۔ نڈھال ہو کر سیٹ پر گر چکا تھا۔

▲▲

۲
دوشٹ

سماج سدھار کرمچاری نے جلسہ گاہ میں جو تحفظ حقوقِ انسانی کے سلسلے میں منایا جا رہا تھا، آ کر مائک سنبھالا.....

"سجنو! آج میں آپ کو تحفظ حقوق انسانی کے سلسلے میں ایک جھانکی بتلانے چلا ہوں۔ بلکہ سنانے چلا ہوں۔" کہتے ہوئے اُس نے کھنکھار کر اپنا گلہ صاف کیا اور بولا ——— "ہو سکتا ہے آپ بھی اس جھانکی کو دیکھ چکے ہوں گے یا سن چکے ہونگے۔ لیکن غور نہیں کئے ہوں گے۔ لیکن میں نے غور کیا ہے۔ جب بھی

میں نے اُس جھانکی کو دیکھا ہے یعنی اُس کو دیکھا ہے جو گھورے پر کوڑا کرید رہا ہوتا ہے تو مجھے اُس جھانکی پر اُس کہانی کی یاد آجاتی ہے جو بچپن میں پڑھائی گئی تھی ـــــــ وہی پُرانی کہانی سجنو! مرغ اور موتی والی۔ آپ نے بھی پڑھی ہوگی۔ اگر یاد نہیں تو سن لیجئے۔ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ ـــ ایک دن ایک مُرغ کو گھورے پر کوڑا کریدتے ہوئے ایک موتی ملا تھا تو مُرغ نے اس موتی پر کھانے کی جانچ میں ٹھونگیں مار مار کر کہا تھا ...... اگر یہ موتی کسی جوہری کے ہاتھ لگتا تو وہ اس کی قدر کرتا لیکن میرے لیے تو جو کا ایک دانہ اس موتی سے بدرجہا بہتر ہے ..... یہ کہتے ہوئے اُس نے موتی کو رد کر دیا تھا۔

تو سجنو! میں ہمیشہ یہی سوچتا اگر یہی موتی اُس کو مل جاتا جو روز گھورے پر کوڑا کرید رہا ہوتا ہے تو .... ؟ لیکن ایسا ہوتا کہاں ہے سجنو! غریب آدمی کی قسمت میں تو غریبی کا پٹہ لکھا ہوتا ہے۔ یہ سب کہانیوں کی باتیں ہیں کہ مُرغ کو گھورے پر

کوڑا کریدتے ہوئے ایک موتی ملا تھا۔ موتی ہوتا کہاں ہے ___ ! وہ تو بڑے گھرانوں والی استریوں کے گلے کا سنگھار ہوتا ہے۔ اور بڑے گھرانوں والی استریاں گھورے پر آتی کہاں ہیں ___ ہاں وہ بلڈنگوں کی بلندیوں سے کوڑا ضرور پھینکتی ہیں۔ اور گھورے پر بلندیوں سے کوڑا پھینکتے ہوئے اُن کے گلے میں جو موتیوں کا ہار ہوتا ہے، ہوسکتا ہے وہ کسی دن ٹوٹ کر کوڑا پھینکتے ہوئے گھورے پر بکھر جائے اور کسی غریب کی قسمت جاگ اُٹھے۔ مرغ کی نہیں۔

بس سجنو! ہمیشہ مجھے یہی وشواس رہتا کہ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی دن اُس کی قسمت ضرور جاگ اُٹھے گی۔ اور مجھے اسی کا ہی انتظار رہتا۔ ہر سمئے، ہر دن، ہر گھڑی، ہر ہفتے ___ دن پہ دن گذرتے چلے گئے اور وہ اسی طرح بدحال گھورے پر کوڑا کریدتے رہا...... لیکن اس کو ملا کچھ نہیں ___ میرا مطلب موتی سے ہے۔ چوں کہ یہی بات لڑکپن سے میری بدھی میں بیٹھی ہوئی تھی اس کہانی

کے تعلق سے کہ گھورے پر موتی ملتے ہیں۔"

اور ایک دن سجنو! اُس نے اُس کو پالیا ـــــ
اُس کے دکھوں کا انت ہو گیا۔

"یعنی کہ وہ مر گیا ـــــ !!"

"ہاں!" شائید آپ ہی نے پوچھا تھا۔ اُس نے ایک طرف انگلی اٹھا کر کہا: ہاں سجنو! وہ مر گیا ـــــ دوسرے دن پتہ چلا تھا وہ بھی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے کہ وہ سمیت غذا کا شکار ہو چکا تھا ـــــ تو کیوں نہ سجنو! ہم اُس کی موت پر دو منٹ کی خاموشی منائیں... بڑے بڑے نیتاؤں کی موت پر تو ہم خوشی خوشی خاموشی مناتے ہیں اور ایک دن کی تعطیل پاتے ہیں۔ آج... ایک دن کی تعطیل نہیں دو منٹ کی خاموشی منائیں تا کہ اُسکو شانتی مل سکے جو عمر بھر گھورے پر کوڑا کریدتے ہوئے اشانت رہا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے سماج سدھارک خاموش ہو گیا تو مجمع نے بھی اُس کے ساتھ دو منٹ کی خاموشی منائی....
پھر جلسہ گاہ سے مجمع چھٹ رہا تھا تو وہ سب شانت تھے۔ جیسے انہوں نے اُس کی آتما کو صحیح معنوں میں شانتی دے دی ہو۔

▲▲

اٹکم بٹکم دہی چٹاخہ

راتوں رات وہ اپوزیشن پارٹی کا سرگرم کارکن بن بیٹھا۔ پہلے وہ سلوتری تھا اور فٹ پاتھ پر عطائی دوائیں بیچا کرتا تھا۔ لیکن جب وہ فٹ پاتھ سے اونچا اُٹھا تو اُٹھتا ہی چلا گیا۔ حتیٰ کہ اپوزیشن پارٹی کا سرگرم کارکن بن بیٹھا۔ پارٹی کی ایما پر ہی اُسے منچ پر اس لئے کھڑا کر دیا گیا کہ اس میں بات کرنے کا کافی سلیقہ ہے اور وہ پارٹی کی بات ممبروں کے سامنے بہتر انداز سے پیش کر سکتا ہے ـــــ چنانچہ جب اُسے منچ پر لا کھڑا کر دیا گیا تو اس نے اپنی بات

اس طرح شروع کی :

ہندو بھائیوں کو نمستے ! مسلمان بھائیوں کو سلام :
اور سکھ بھائیوں کو ست سری اکال !!! —— ہاں تو بھائیو ! مجھے اس لئے بینچ پر لا کھڑا کر دیا گیا ہے کہ میں آپ کے سامنے پارٹی کے آئندہ کاری کرم کے بارے میں کچھ بتلاؤں ۔ لیکن اس سے پہلے بھائیو ! میں اس بات کو بتلانا بے حد ضروری سمجھتا ہوں کہ پارٹی کس طرح چلتی ہے ۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ پارٹی کو چلانے کے لئے بھی ایک " جن " کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور وہ جن بھی اس کا تابع رہتا ہے جس کے ہاتھ میں وہ چراغ ہو ۔ یعنی علاؤالدین کا جادوئی چراغ ، جس کی کہانی آپ پڑھ چکے ہیں ۔

بھائیو ! آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ میں کیا پرانا قصہ لے بیٹھا ہوں ۔ لیکن بھائیو ! میں آپ کو مثال کے ذریعہ سے یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ جادو کا چراغ اب بھی موجود ہے ۔ صرف اسے حاصل کرنے کی ضرورت ہے ۔

" لیکن کیسے —— ؟ " کسی نے پوچھا :

"کیسے ——! میں بتلاتا ہوں بھائیو کہ اس کے لئے تو پتنی کے زیور بیچنا پڑتا ہے، مکان گروی رکھانا پڑتا ہے، قرض لینا پڑتا ہے، بعد میں بھیک مانگنا پڑتا ہے —— قسمت نے ساتھ دیا تو سمجھئے جیت ہو گئی۔ ورنہ ہار کی صورت میں در بدر کی ٹھوکریں کھانا پڑتا ہے۔

"مطلب —— ؟" پھر کسی نے پوچھا۔

مطلب صاف ہے بھائیو! لیکن یہ تر کیب یوں ہی نہیں بتلاؤں گا —— یوں ہی نہیں دوں گا —— پہلے پتنی کے زیور بیچئے، مکان گروی رکھائیے، قرض لیجئے اور آئیے میرے پاس۔ پیسوں کے ساتھ، روپیوں کے ساتھ —— ایک تھیلی میں لاکھ دو لاکھ روپے لے کر۔ ایک ہاتھ سے تھیلی دیجئے اور دوسرے ہاتھ سے گر لیجئے —— یعنی ٹکٹ لیجئے اور الیکشن میں کھڑے ہو جائیے —— جیت ہوئی تو سمجھئے چراغ آپ کے ہاتھ میں —— رگڑیئے اور لاکھوں کے کام بنائیے —— لاکھوں میں کھیلئے —— کروڑوں میں تُلیئے —— تو آئیے بھائی صاحب ——

آیئے صاحبان ـــــ لیجئے۔ ایک، ایک ٹکٹ کے ۲ دو ۲ دو لاکھ ـــــ ایک ٹکٹ کے ۲ دو لاکھ ـــــ ایک ٹکٹ کے ۲ دو لاکھ .....

دیکھتے ہی دیکھتے سارا مجمع اُس پر ٹوٹ پڑا۔ اُس کے پاس کے سارے ٹکٹ ہاتھوں ہاتھ بِک گئے ـــــ اور وہ کروڑوں کی رقم سمیٹے پارٹی کے حق میں نیک تمناؤں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگیا۔

▲▲

دُعائے مغفرت

اُس نے کئی شادیاں کیں اور ہر بیوی سے اُسے ایک ایک اولاد ہوئی اور بیویاں مرتی چلی گئیں۔ آخر جب وہ ادھیڑ عمر کا ہو گیا تو اُس نے ایک جوان عورت سے شادی کی ـــــــ جوان عورت سے اُسے کئی اولادیں ہوئیں اور اس کا گھر جو آبائی تھا ناکافی ہونے لگا تو اُس نے پہلے کی تمام بیویوں کی اولادوں کو جو بڑے ہو چکے تھے گھر بدر کر دیا۔ اور آخیر جوان بیوی اور بچوں کے ساتھ رہنے لگا۔

بالآخر اُس کی جوان بیوی کے بچے بھی بڑے ہو گئے اور وہ کافی بوڑھا ہو گیا تب اُس کی جوان بیوی اور بچوں نے سوچا ..... گھر جو آبائی ہے اس کا تصفیہ کرا لینا چاہیئے گھر کے موجودہ وارث سے جو ان کا باپ ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ کوئی جھگڑے کی نوبت آ جائے ان سے جو سوتیلی اولادیں ہیں ـــــــ اور وہ یہ چاہتے تھے کہ مکان کے بارے میں اپنے باپ سے کچھ لکھا لیں اپنے حق میں کہ ایک دن اچانک اس کا انتقال ہو گیا ۔

انتقال کی خبر سُن کر قبرستان میں بھی جمع ہو گئے ۔ آخری بیوی کے بیٹے تو تھے ہی دوسری بیویوں کے بیٹے بھی آ گئے ۔

اُن میں ایک جو پہلی بیوی سے تھا ۔ وہ ہمیشہ نشے میں دُھت رہتا تھا ۔ اُسے پینے کی لت تھی ۔ بغیر پیئے وہ ایک دو گھنٹے بھی نہیں رہ سکتا تھا ۔

اُس وقت بھی وہ نشہ میں تھا جب

اُس کے باپ کو قبر میں اُتارنے کا وقت آیا۔ وہ نشہ میں لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور بولا ——— "ٹھیرو! میرے باپ کو ابھی قبر میں مت اتارو ——— میں اُن کا بڑا بیٹا ہوں۔ میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ اپنے باپ سے جس نے .... جس نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔" کہتے ہوئے اُس کی آواز روندھ گئی۔

یہ سن کر سب پیچھے ہٹ گئے۔ آخری بیوی کے بچے بھی۔ لیکن اُن کے چہروں پر ناگواری کے اثرات آ گئے تھے۔

وہ سب کے سامنے ڈولے کا ہتھ پکڑ کر الکٹ پلکٹ مارے نیچے بیٹھ گیا۔ اور ڈولے پر سر رکھے روندھی ہوئی آواز میں دُعائے مغفرت شروع کی:

"اے! میرے باپ! خدا ——— خدا تم کو معاف کرے۔ تم نے مجھ پہ بہت ظلم ڈھائے۔ میرے ساتھ کوئی انصاف نہ کیا۔ تم نے ——— تم نے مجھے دربدر کی ٹھوکریں کھانے گھر بدر کر دیا ——— میرا دل تو اُس وقت بہت دُکھا تھا۔ لیکن میں کیا کرتا!

—— اس وقت میں تم سے حساب مانگنے نہیں آیا ہوں، صرف دُعا کرنے آیا ہوں —— اے میرے باپ! میری دُعا ہے کہ تمہاری کم از کم خدا سے نبھے اور وہاں تم انصاف سے رہو۔ بس یہی میری دعا ہے" کہتے ہوئے اس نے اپنا آنسوؤں سے بھرا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا......

آخری بیوی کی اولادوں کو غصہ آگیا....

"یہ کیا تک ہے"۔ اُن میں سے ایک نے غصہ سے کہا —— "پہلے تو یہ پیٹے ہوئے ہیں اور پھر اوپر سے ہانک رہے ہیں۔ سر کی نہ پیر کی"۔

دوسرے لوگ بھی جو آخری بیوی کے خاندان سے تھے ہاں میں ہاں ملانے لگے...

تھوڑی دیر کے لیے وہاں موجود سب لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اس بارے میں کہ مرحوم کے اس بیٹے کو جو پیئے ہوئے ہے زبردستی وہاں سے اُٹھا دیں کہ جلد ہی تدفین ہو —— اور وہ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے آگے بڑھے تھے کہ ایک آدمی جو غیر جانبدار تھا اور مرحوم کے خاندان سے نہیں بلکہ

مرحوم کا دوست تھا ۔ بولا ــــــــ "رہنے دو ۔ اسے روکو نہیں ــــ اسے بولنے دو ــــ وہ سچ بول رہا ہے چوں کہ وہ پیا ہوا ہے ــــ لوگ تو بغیر پیئے بھی سچ نہیں بولتے ۔" کہتے ہوئے اُس نے آخری بیوی کے بچوں کی طرف دیکھا ۔

اُسے یاد تھا کہ مرحوم اپنے آخری دنوں میں کسی دن جب کہ انہیں اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں رہا تھا ۔ اُس کے سامنے وصیت کی تھی :

"میرا یہ مکان میری تمام اولادوں کے لئے ہے ۔ اُن کے لئے بھی جن سے میں نے کوئی انصاف نہیں کیا ۔ کیوں کہ میں مجبور تھا ۔ اپنی آخری بیوی اور بچوں سے .... خدا مجھے معاف کرے اور مجھ پر رحم کرے ــــ وہ بڑا رحم کرنے والا ہے ۔"

تدفین کے کچھ ہی دنوں بعد اُس کے دوست نے خواب میں اپنے مرحوم دوست کو دیکھا ۔ اس طرح کہ اُس کے چہرے سے نور چھلک رہا تھا ۔ اور اس کے سر کے پیچھے نور کا ایک ہالہ سا بنا ہوا تھا ۔

جس طرح چمکتے ہوئے چاند کے اطراف نور کا ایک ہالہ سا بنا رہتا ہے ـــــ اور وہ اُس کی طرف انگلی اٹھائے کچھ کہہ رہا تھا ...

نیند سے جاگنے کے بعد اُس نے اپنے ذہن پر کافی زور ڈالا کہ اُس کے دوست نے اُس سے کیا کہا تھا، یاد آجائے ... لیکن کافی سوچ بچار کے باوجود بھی اُسے کچھ یاد نہ آیا ...... ہاں ہر بار اُس کا ذہن قبرستان میں ہوئے واقعے کی طرف چلا جاتا۔ جہاں اُس کا بیٹا ڈولے کے دستے کو پکڑے الکٹ پلکٹ مارے نیچے بیٹھا۔ ڈولے پہ سر رکھے اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کر رہا تھا۔ اگرچہ اُس کے ساتھ بڑی ناانصافیاں ہوئیں تھیں۔

▲▲

چَھپتے چَھپتے ....

(۱)

ہائے اپا سوامی

اطلاع ملی ہے کہ ____

حیدرآباد کے حالیہ فسادات، دراصل فسادات نہیں تھے بلکہ ایک کھلی سازش تھی۔ اور اس سازش میں کالے کپڑوں میں ملبوس جو غنڈوں نے حصہ لیا وہ دراصل ایپا سوامی کے ہر دل عزیز بھگت نہیں تھے بلکہ "ہائے ایا سوامی" کے گرگھے تھے جو دنگے پھیلا کر حکومت کو بدل دینا چاہتے تھے۔

(۲)

اُلٹ پھیر

لوگوں کو ہمیشہ یہ شکایت رہتی

ہے کہ ——————

مردم شماری میں حکومت کے شائع کردہ

آنکڑے فہرست کے لحاظ سے صحیح تو ہوتے

ہیں۔ لیکن فسادات میں آنکڑوں میں نہ صرف

اُلٹ پھیر ہو جاتی ہے بلکہ نام بھی شائع نہیں کئے

جاتے۔

(۴۳)

ناجائز کاروبار

رات کا کرفیو جاری رہا۔۔۔

لوگوں نے شکایت کی :

" اجی ! رات کے کرفیو کا تو پولیس خوب فائدہ اٹھا رہی ہے۔ وہ روز راتوں میں تلاشی کے نام پر ہمارے گھروں کے دروازے توڑ کر ہم کو لوٹ لے رہی ہے۔ اور جہاں مکانوں کے دروازے مضبوط ہوتے ہیں جی۔ وہاں پولیس گھروں پر چڑھ کر کھپریلوں کو ہٹا کر گھروں کے اندر سرقے کے سے انداز میں داخل ہو کر اپنی جیبوں کو گرم کر رہی ہے ——— یہ ہے جی ہماری پولیس اور یہ ہے اس کا ناجائز کاروبار "۔

(۴)

ظلم در ظلم

اطلاع ملی ہے کہ ــــــ

فسادات میں اقلیتوں کے جانوں کے ساتھ

مالی نقصانات بھی بہت ہوئے ــــــ

اور گرفتاریاں ــــــ !!

اقلیتوں کے نوجوانوں کی ہی ہوئیں۔

پولیس کی طرف سے وہ بھی ہزاروں کی تعداد

میں ۔ قانون "ٹاڈا" کے تحت۔

▲▲

(۵)

آنکھوں پر پردہ

امن پورہ میں قتل ہوا۔ پولیس نے فوراً کاروائی کی اور وہاں کے امن پسند مکینوں کے گھروں کے دروازے توڑ کر وہاں کے کئی نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔ جو بے قصور تھے۔

اسی دوران شانتی نگر میں بھی قتل ہوا لیکن پولیس وہاں پھٹکی تک نہیں۔ بلکہ قاتل وہاں کھلے عام دندناتے پھرتے رہے۔ شانتی کو بھنگ کرتے ہوئے۔

▲▲

(۶)

اینٹ کا جواب اینٹ

ایک مقامی اردو روزنامے نے ایک بڑی سرخی کے ساتھ "وجہہ فسادات" کی اندرونی رپورٹ شائع کردی۔

اس کے دوسرے ہی دن حکومت کے دباؤ کے تحت پولیس کی طرف سے اس روزنامے کو "وجہہ نمائی نوٹس" دی گئی کہ ———— کیوں نہ پندرہ دن کے لئے روزنامے کو بند کردیا جائے۔ جس میں فسادات کی صحیح ڈھنگ سے رپورٹنگ نہ کی گئی"۔

روزنامے کی طرف سے پولیس کو جواب ملا:

"اگر صحیح ڈھنگ کا مطلب' رپورٹنگ سے پردہ پوشی ہوتی ہے تو ہم نے کوئی غلطی نہ کی اس راز کو فاش کر کے"۔

▲▲

(۷)

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

اچانک کرفیو کے دوران رات کے سنّاٹے میں...
جئے بجرنگ بلی، ہر ہر مہادیو، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر ..... کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ ہی "بچاؤ! بچاؤ!" کی دہشت ناک آوازیں سن کر لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل پڑے، پھونکنی، چمٹے لے کر، جس کے ہاتھ جو لگا وہ ـــــ

لیکن پولیس نے ان تمام لوگوں کو کرفیو کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں گولیوں سے بھون دیا ..... اور اس سفید ایمبیسڈر کار کو چھوڑ دیا۔ جو ایسی دہشتناک آوازوں کے کیسٹ بجا کر لوگوں کو گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ ▲▲

بلا ٹکٹ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اس سال بھی کرکٹ کے کئی مقابلے ہوئے مختلف شہروں میں ـــــ ان مقابلوں کو بلیک میں ٹکٹ خرید کر اُن لوگوں نے بھی دیکھا جو کرکٹ کی 'الف بے' سے بھی واقف نہیں تھے۔

لیکن ہار جیت کا فیصلہ کسی بھی جگہ بارش کے سبب نہیں ہو سکا تو لوگ جھلّا اُٹھے۔ ان میں ایک شرابی جو نشہ میں بدمست تھا آسمان کی طرف سر اٹھائے بولا :

" واہ مالک ! تیرا بھی جواب نہیں۔ جہاں بھی میچ ہوا وہاں تو نے پانی سے بھرے بادل بھیج دئے وہ بھی بلا ٹکٹ ـــــ "

انگریز کا بچّہ

کرفیو سخت قسم کا تھا۔ ایک انگریزی اخبار کا ہندوستانی نامہ نگار گوراچٹا، اسکوٹر پر سوار جیب میں کرفیو پاس ٹھونسے بڑی شان سے دندناتا ہوا روڈ پر سے گذر رہا تھا کہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک گورکھے سپاہی نے اُسے روک لیا۔

"اے! کدھر جاتا..... ٹھیر ادھر....."

نامہ نگار جھلّا گیا۔ اُس نے اسکوٹر روکی اور

سیٹ پر ہی بیٹھے بیٹھے انگریزی چھانٹی۔ جس کا مطلب تھا ـــــــ میں رپورٹر ہوں ـــــــ اور یہ دیکھو میرے پاس 'کرفیو پاس' بھی ہے ـــــــ

گورکھے کو انگریزی سے کیا مطلب ـــــــ وہ تو انگریزوں کو ازل سے ہندوستان کا دشمن سمجھتا تھا' غصّہ سے اپنی لاٹھی اٹھائی ـــــــ "اے تم انگریز کا بچّہ' ابھی ادھر ہمارا ملک نہیں چھوڑا ـــــــ پھر سے دنگا کرانا مانگتا ـــــــ چل بھاگ یہاں سے ـــــــ" کہتے ہوئے اس نے لاٹھی اوپر اٹھائی۔

نامہ نگار یکدم گھبرا گیا اور کرفیو پاس کو وہیں پھینک کر اسکوٹر اسٹارٹ کردی۔ تب تک گورکھے کی اٹھی ہوئی لاٹھی نامہ نگار کی پشت سے پھسل کر اسکوٹر کی پچھلی نشست پر پڑ چکی تھی۔

خلیج سے...

صورِ انسانی

" دیکھو بھئی! اب دو بدو کی لڑائی تلوار برچھوں حتیٰ کہ ایٹمی ہتھیاروں کا زمانہ بھی چلا گیا۔ اب تو صرف کیمیائی ہتھیاروں کا زمانہ آگیا ہے۔ جس میں لڑائی، شور شرابہ اور دھماکوں کے ساتھ بلڈنگوں کے ڈھے جانے کی کوئی آواز ہی نہیں ہوگی ـــــ صرف اُن ہتھیاروں کے استعمال سے ساری آکسیجن حتیٰ کہ انسانی پھیپھڑوں سے بھی پلک جھپکتے چوس لی جائے گی۔ اور انسان بڑی خاموشی سے موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔"

" میرے خدا!" اس نے لرز کر کہا۔ یعنی کہ یہ ایسا ہارٹ فیل ہوگا جو قدرتی نہیں۔"

شرم تم کو مگر نہیں آتی

"جنگ کے دوران ملکِ 9 نے جس کے مفادات اس جنگ سے وابستہ تھے اس نے اعلان کیا کہ وہ ان تمام ممالک کو جو اس کی جنگی پالیسیوں کی مذمت نہیں بلکہ مدافعت کریں گے وہ ان تمام ممالک کی امداد میں اضافہ کرے گا۔"

"ارے وہ اضافہ کہاں سے کرے گا۔ یہ تم نے نہیں سوچا۔ وہ تو دیو کی ناک کاٹ کر دیو کو چڑھائے گا۔ جانتے ہو ان تمام ممالک کی آدھی زمینی دولت کے چشمے تو خود اس کے قبضے میں ہیں۔"

نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

جنگ میں ہزاروں کی تعداد میں انسانی جانوں کے ضائع ہونے کے اندیشوں کے تحت ملک میں تابوتوں کی مانگ میں زبردست اضافہ ہوگیا اور دن رات کارخانوں میں دھڑا دھڑ تابوت بننے لگے ـــــ لیکن اُن کے بکنے کی نوبت آنے سے قبل ہی کارخانوں پر ـــــ فوجوں کی طرف سے ایسی زبردست بمباری ہوئی کہ کارخانوں کے ساتھ تمام مزدور اور سارے تابوت جو بن کر تیار رکھے ہوئے تھے، بکنے کے لیے، ساتھ ہی ختم ہوگئے۔

تماشہ مداری کا

ملک ۱ کی طرف سے ٹی۔وی پر جنگی
پروپگنڈہ میں پہلے سمندر بتلایا گیا جس کا پانی پٹرول
آلود ہو کر گاڑھا اور زہریلا ہو گیا تھا ______
پھر بتلایا گیا کہ اس میں کس طرح آبی پرندے
دم توڑ رہے ہیں ....
کلابھون کی پانچویں منزل کے ایک کمرے میں بیٹھے
ہوئے چند دوست ٹی وی پر اس روح فرسا منظر کو دیکھتے

ہوئے دم بہ خود رہ گئے۔

ساتھ ہی کمرے میں ٹی۔وی کے بازو رکھا ہوا ریڈیو بھی چل رہا تھا جو ملکِ ب کی خبریں نشر کرتے ہوئے دھاڑ رہا تھا کہ کل کس طرح درمیانی شب فوجوں نے علین شہری علاقوں، ہسپتالوں اور اسکولوں پر زبردست بمباری کی جس سے کئی بلڈنگیں زمین دوز ہوگئیں اور ہزاروں شہری، بچے، بوڑھے، عورتیں شہید اور زخمی ہوگئے۔

لیکن کلابھون کی پانچویں منزل کے اُس کمرے میں بیٹھے ہوئے یہ چند دوست جو ٹی۔وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ ریڈیو بھی سُن رہے تھے اُن پہ اس روح فرسا خبر کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا بلکہ اُن میں سے ایک نے اٹھ کر ریڈیو کا گلہ دبا دیا۔ جہاں سے ملکِ ب کی خبریں نشر ہورہی تھیں....

پھر وہ سب ٹی۔وی کے اور قریب کھسک آئے جس پہ ملکِ الف کی طرف سے جنگی پروپگنڈہ میں آبی پرندوں کو سمندر میں دم توڑتے ہوئے بتلایا جارہا تھا....

▲▲

حرفِ آخر

میری یہ کہانیاں یا ان میں کی کوئی ایک کہانی بھی
کسی کو بری لگی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ اس درسِ
سانیت کو بھلا بیٹھے ہیں جو انہیں اسکول میں دیا گیا تھا ——

اب ایک نیا درس جو انہیں مکتبِ سیاست سے
یا جا رہا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے ایک گن میں بارود بھری جا رہی
ہے۔ اور اتنی ٹائیٹ بھری جا رہی ہے کہ گن تو گن سارا ملک ہی
س کے دھماکے سے اُڑ سکتا ہے ..... علاوہ ازیں جو لٹریچر
الب علموں کو درس گاہوں میں پڑھایا جا رہا ہے وہ نفرت کی تعلیم کے سوا اور
یا دے سکتا ہے ..... خدا بچائے اس ملک کو۔

نفرت کے بڑھاوے سے پہلے ملک تقسیم ہوا تھا۔ اب مزید بڑھاوے
ے محلوں کی تقسیم شروع کر دی ہے —— بڑے بوڑھوں نے ٹھیک ہی کہا ہے
ادان کی دوستی جی کا جنجال" معلوم نہیں یہ نادان سیاست داں کب ہوش
کے ناخن لینگے۔

زہرہ مسحور
۹۱۲-۳-۲۰ شاہ گنج چوک
حیدرآباد-۲ (آندھرا پردیش)

قارئین کے نام

محترم قارئین :

یہ کہانیاں جو آپ نے پڑھیں، بغور پڑھیں، ہو سکتا ہے ایک ہی کہانی کو دو چار بار بھی پڑھے ہوں گے۔ تو ان کہانیوں میں جو کہانی آپ کو سب سے زیادہ اچھی لگی۔ اور جو سب سے زیادہ بُری لگی۔ اس کی وجہ تسمیہ بتلاتے ہوئے اپنی رائے سے نوازیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی یہ رائے آئیندہ کسی وقت میرے کام آئے ——————

اشاعت کی غرض سے جو کسی وقت بھی ہو سکتی ہے آئیندہ کے ایڈیشن کے لئے۔

شکریہ

زہرہ مسحور